کردار کا جادو
شاہ بلیغ الدّین
FIRDAUS PUBLICATIONS
DELHI 110006
فردوس پبلیکیشنز دہلی ۶

کردار کا جادو

تحریر : شاہ بلیغ الدین

مرتّب : محمد فاروق خاں ایم۔ اے

فردوس پبلیکیشنز دہلی ۶

سلسلۂ مطبوعات فردوس پبلی کیشنز ۔ ٦

طبع اوّل ـــــــــــ ۱۹۸۰ ایک ہزار

طبع دوم ـــــــــــ ۱۹۸۴ ایک ہزار

طبع سوم ـــــــــــ 1990

طابع ـــــــــــ

مطبع ـــــــــــ فوٹو آفسٹ پرنٹرز دہلی

زرِ تعاون ـــــــــــ ٦/= روپے

ناشر ـــــــــــ فردوس پبلی کیشنز دہلی

FIRDAUS PUBLICATIONS
1781-HAUZ SUIWALAN,
NEW DELHI-110002

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجالا.......

حکمت اور دل آویزی سے دنیا والوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور پیار و سلیقے کے ساتھ بات سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرو ـــــ سورۃ النحل میں یہہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اس ارشاد کا کیا کہنا۔ اصلاح کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ ممکن ہی نہیں۔ اس لئے اس نے اپنے رسولوں کو حکمت اور دل آویزی عطا فرمائی اور اپنے نبی آخر الزماں کو اس کا بہترین نمونہ بنایا۔

میری باتیں انہیں بھی پہنچا دو جو میری مجلسوں میں حاضر نہیں! ـــــ صحابۂ کرام سے یہہ معلم کتاب و حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔ شمع نبوی کے پروانوں نے بڑے اہتمام سے یہ باتیں دوسروں تک پہنچائیں۔ یہہ کام آج بھی جاری ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔ یہی فطرت کا تقاضہ بھی ہے۔

تبلیغ کا فریضہ مسلمانوں نے بھلا دیا حالانکہ ہر مسلمان پر اس کی ذمہ داری ہے۔ جہاں اس طرح سچی اور اچھی بات عام ہوتی ہے وہاں ہر مسلمان کی اپنی واقفیت بھی بڑھتی ہے ـــــ دینی علوم سے بھی اور اللہ کے بندوں سے بھی! ـ بڑی خوشی کی بات ہے کہ نوجوانوں میں اب یہہ خیال جاگ رہا ہے ترقی یافتہ دنیا کی سوسائٹی میں بیٹھ کر ان کا یہہ خیال اور بھی بڑھ گیا ہے۔ یہہ بڑا نیک فال ہے۔ اسلام بڑا اسائنٹفک مذہب ہے۔ اس نے ہمیں ازلی اور ابدی اصول دیئے ہیں۔ معروف اور منکر ہمارے سنگ میل ہیں ـــــ اچھائیوں کو لے لو برائیوں کو چھوڑ دو ـــــ کسے اس بات سے انکار ہوگا؟ دنیا کے کسی خطے کا کوئی آدمی قیامت تک اسے جھٹلا نہیں سکتا۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ یہ نہیں تو اور کیا ہے؟ ہماری ثقافت کے نشان جانے کہاں کہاں ڈھونڈے جا رہے ہیں۔ کاش! بھلے مانس سمجھ لیتے کہ ہماری ثقافت ہے ـــــ اُسوۂ حسنہ!

صاحبِ خُلقِ عظیم

ظہر کی نماز سے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے برآمد ہوئے اور مسجدِ نبوی کے منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت فضل بن عباس آپ کے چچازاد بھائی ساتھ تھے۔ سرورِ کشورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بہت خراب تھی۔ یہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کے دن تھے۔ اب کچھ ہی دن رہ گئے تھے کہ آپ دنیا سے تشریف لیجانے والے تھے۔ شدتِ بخار ہی میں آپ اپنے حجرے سے برآمد ہوئے اور منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ پھر حضرت فضل کو حکم دیا کہ ــــ الصّلوٰۃ جامعۃ کا نعرہ لگوائیں۔ مطلب یہ کہ مسلمان نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب مدینہ کی گلیوں میں کوئی یہ نعرہ لگاتا تو صحابۂ کرام سمجھ لیتے کہ کوئی ضروری بات ہے جس کا اعلان کرنے کے لئے اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کو جمع ہو جانے کا حکم دیا ہے۔

چنانچہ صحابہؓ جوق در جوق جمع ہو جاتے۔

اس موقع پر بھی جب صحابۂ کرام بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تو اللہ کے رسولؐ نے اُن کے آگے خطبہ دیا۔ خطبہ کیا تھا ایسی باتیں تھیں کہ صحابۂ کرام کے دل بھر آئے ــــ

حضرت فضل بن عباس کا کہنا ہے کہ ــــ آپؐ کے سر میں سخت درد تھا۔ ایک زرد پٹی

میں نے آپؐ کے سر پر کس کے باندھ دی تھی - آپؐ میرے ہی بازو پر ٹیک لگا کر مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے تھے - اسی تکلیف کی حالت میں آپؐ نے خطبہ دیا پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا — میرا تم لوگوں سے رخصت ہونے کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ تم لوگوں سے کہوں کہ جسے مجھ سے کسی بات کا بدلہ لینا ہو تو وہ لے لے - اگر میں نے کسی کی کمر پر مارا ہے تو یہ میری کمر موجود ہے اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا تو وہ آئے مجھے سخت سُست کہہ لے - جس کسی کا کوئی مطالبہ ہے وہ مجھ سے وصول کر لے - کوئی بھی یہ نہ سوچے کہ بدلہ لینے سے میرے دل میں کوئی برا خیال پیدا ہو گا۔ الحمد للہ میں بُغض اور کینے سے محفوظ ہوں - یہ باتیں میرے لئے سزاوار بھی نہیں - اس لئے خوب اچھی طرح سمجھ لو یہ میری دلی خواہش ہے کہ جس کا مجھ پر کوئی حق نکلتا ہو وہ اپنا حق مجھ سے لے لے یا معاف کر دے تاکہ میں اپنے رب کے پاس اطمینان سے جاؤں - آپؐ اس ارشاد کے بعد انتظار فرماتے رہے کہ کوئی کچھ کہے - کوئی آگے بڑھ کر اپنا بدلہ لے مگر کسی نے کچھ نہ کہا نہ کوئی آگے بڑھا - اور کوئی کہتا کیا - رحمتِ عالم صلعم نے کبھی کسی پر کوئی زیادتی کی ہی نہیں تھی - کچھ دیر ٹھہر کر فرمایا — کہ یہ ایک اعلان اس بات کیلئے کافی نہیں - میں پھر اعلان کروں گا -

اس کے بعد آپ صلعم منبر سے اُترے ظہر کی نماز ادا کی اور پھر منبر پر بیٹھے ! ارشاد فرمایا کہ — تم میں سے کوئی بدلہ لینے سے ذرا نہ جھجکے - کوئی ایسا ہے جسے مجھے کچھ دینا ہے تو وہ بھی دیدے -

ارشادِ ربانی بھی — یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ مطلب ہے کہ اے ایمان والو! مضبوطی سے انصاف پر قائم رہو — اللہ کے رسولؐ اسی عدل و انصاف کا مظاہرہ فرما رہے تھے !

مؤرخین اور محدثین متفق ہیں اس بات پر کہ آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے
بدلہ نہیں لیا۔ لیکن پھر بھی ارشادِ نبویؐ تھا کہ ــــ مجھ سے بدلہ لے لو!
عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات کی بڑی اہمیت ہے یعنی لوگوں کے حقوق کی!
کوئی کسی کو مارے پیٹے برا بھلا کہے۔ طعنہ دے۔ کسی کو نقصان پہنچاتے تو وہ
شخص جس پر زیادتی کی گئی ہو وہی معاف کر سکتا ہے۔ اللہ ایسے قصوروں کو
معاف نہیں کرتا۔

ــــ حج بیت اللہ کے بعد عبادات کی خطائیں تو معاف ہو جاتی ہیں لیکن اللہ
کے بندوں کو کسی نے ستایا، نقصان پہنچایا، کم تول کے دیا۔ عیب دار چیز بیچی۔
غیبت کی چغلی کھائی۔ بدنام کیا یا دل دکھایا۔ تو یہ ظلم معاف نہ ہوں گے۔
پرسش ہوگی اور بہت سخت پرسش۔ اس دنیا میں بھی بدلہ ملے گا اور اُس
دنیا میں بھی ــــ جن کے ریتے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے ــــ
یہ پرسش حکمرانوں کے لئے بہت ہی سخت ہوگی۔ عہدہ دارانِ مملکت جو ظالم
اور جابر حکمرانوں کے آلۂ کار بنتے اور اپنے اپنے علاقوں میں اللہ کے بندوں کو ان
کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیتے ہیں تاکہ حکمرانِ وقت کی خوشنودی حاصل کریں
ان کا حشر اور بھی برا ہو گا۔

عدل حکمرانی کا سب سے بڑا شیوہ ہے۔ حاکم چھوٹا ہو یا بڑا عدل سب کیلئے
ضروری ہے۔ جو حاکم اپنی ذات سے محبت رکھتا ہو، وہ کبھی قانون کی حفاظت
نہیں کر سکتا۔ چانکیہ اور مکیاولی حکمراں کو خود غرض، جابر، ظالم اور بدکردار
بناتے ہیں۔ دنیا کو پہلا تحریری دستور دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ
حسنہ کچھ اور ہی ہے۔ جس ذاتِ اقدسؐ نے مدینے کی شہری مملکت کو دس
لاکھ مربع میل تک وسیع کر دیا اُس نے عوام سے اپنے آپکو کبھی الگ نہیں رکھا

صرف وہی سیاست داں اپنے ذاتی کردار کے بارے میں عوامی محاسبے کا کھلا اعلان کر سکتا ہے جو عادل اور بے لوث ہو۔ اسلام میں اقتدار امانت ہے یہاں حکمرانی جواب دہی کا دوسرا نام ہے۔ ہر اسلامی مملکت کے دستور میں یہ شق شامل ہونا چاہیئے کہ مدت حکومت کے ختم ہوتے ہی سربراہ مملکت اپنے آپکو عوامی محاسبے کیلئے پیش کرے پھر دیکھئے کہ اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے بعد زندگی کا کیا رنگ ہوتا ہے؟

عظمت

شام کے سفر سے لوٹے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مملکت کے کاموں سے فارغ ہو کر گشت پر نکلتے۔ اس طرح وہ عوام سے ملتے۔ اُن کے حالات معلوم کرتے اور انتظامات کو بہتر سے بہتر بناتے جاتے تھے۔ کسی حاکم کی شکایت سُننے میں آتی تو اس کی تحقیق کر کے اسکی شکایت کو دُور کرتے۔ پھرنے پھرانے میں بہت سی باتیں انھیں اپنے بارے میں بھی معلوم ہو جاتیں۔ گشت کا ایک ایسا ہی موقع تھا کہ رَاستے میں ایک بڑھیا انہیں ملی۔ پوچھا — کیا حال ہے؟ اس نے کہا — میں تو ٹھیک ہی ہوں، اپنی مصیبت آپ بھگت رہی ہوں لیکن یہ بتاؤ کہ ہمارے امیر کا کیا حال ہے آجکل وہ کہاں ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا وہ ابھی ابھی شام کے دَورے سے لوٹے ہیں اور آجکل مدینے ہی میں ہیں۔
بڑھیا نے کبھی حضرت عمرؓ کو دیکھا نہ تھا۔ اس نے یہ سنا کہ امیر المومنین مدینہ ہی میں ہیں تو بولی — اللہ اُن سے سمجھے!

حضرت عمرؓ نے پوچھا — کیوں کیا بات ہے؟

بڑھیا نے کہا — وہ خلیفہ تو بن بیٹھے ہیں مسلمانوں کے وظیفے بھی جاری کر رکھے ہیں لیکن مجھ بڑھیا کو نہیں پوچھا آج تک مجھے وظیفہ نہیں دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا — بڑی بی تمہارا حال انہیں معلوم نہ ہوگا۔ بڑھیا نے کہا۔ کیا خوب!

مسلمانوں کا امیر بنا پھرتا ہے، اور اسے یہ نہیں معلوم کہ اس کی مملکت میں کس کا کیا حال ہے؟

حضرت عمرؓ کا فرمانا تھا ــــــ یہ حکومت بڑی بُری بلا ہے۔ عوام میں سے ایک ایک شخص کی ذمہ داری میرے سر ہے۔ اگر فُرات کے کنارے کسی کی بکری کا بچّہ بھی گم ہو جائے تو میں جواب دہ ہوں۔ اللہ کے پاس مجھے اس کا حساب دینا ہوگا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے بڑھیا کی شکایت سُنی تو ایک بار اللہ کے خوف سے لرز کر رہ گئے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اپنے آپ سے کہا ــــ اے عمرؓ! تجھ پر افسوس ہزار افسوس! تیرے عوام تجھ سے کس طرح جھگڑتے ہیں۔ ہر شخص تجھ سے زیادہ فقیہہ ہے۔ پھر اس بڑھیا سے بولے ــــ اگر تو اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ سے فریاد نہ کرے اور اپنی داد خواہی کو میرے ہاتھ بیچ دے تو میں تجھے اس کا معقول معاوضہ دوں گا اور عمرؓ کو اس بات پر راضی کر لوں گا کہ تیرا وظیفہ جاری کر دے!

بڑھیا نے کہا ــــ بھلے مانس! کیوں مجھ غریب سے مذاق کرتے ہو؟۔ حضرت عمرؓ نے نے اسے بہر حال تیار کر لیا اور بیس درہم اسے دے کر وہاں سے رخصت ہونے والے ہی تھے کہ اتنے میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہاں آگئے اور کہا۔ السّلام علیکم یا امیر المومنینؓ! ۔ بڑھیا نے جو امیر المومنین کے الفاظ سُنے تو اُس کے کان کھڑے ہوئے۔ بولی ــــ ارے! آپ ہی امیر المومنین ہیں۔ مجھ سے تو بڑی سخت غلطی ہوئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا ــــ تجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ تو نے جو کچھ کہا درست کہا۔ میری ذمہ داری تُو نے مجھے یاد دلادی اور میری غلطی میرے منہ پر بتادی۔ یہ فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس پر گواہ کیا کہ ــــ اب یہ بڑھیا اللہ تعالےٰ سے اُن کے خلاف داد خواہ نہ ہوگی۔ اللہ کا یہ ڈر اور انصاف کا یہ عالم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھا۔

نیت

امام بخاریؒ کی خدمت میں تحفے پیش ہوئے۔ دوستوں، عقیدتمندوں اور نیاز کیشوں کی طرف سے یہ تحفے آئے تھے۔ ایک سے ایک اچھا، ایک سے ایک اعلیٰ تحفہ تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب امام بخاریؒ کے پاس کچھ نہ تھا۔ فقر و فاقے سے دن گزرتے تھے۔ ویسے امام بخاریؒ بڑے دولتمند گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد نے ان کے لئے بڑی دولت چھوڑی تھی۔ جب اس دولت کے برتنے کے دن آئے تو امام بخاریؒ نے علم حاصل کرنے میں ساری دولت خرچ کر دی۔ دُور دُور کا سفر کرتے اور بڑے بڑے عُلما سے حدیثوں کا درس لیتے تھے۔ دل کھول کر اللہ کے بندوں کی مدد کرتے۔ نتیجہ یہ کہ بہت جلد ساری جمع شدہ پونجی خرچ کر بیٹھے۔ یہ دولت تو انہوں نے لُٹا دی لیکن دولتِ علم سے اپنے دل و دماغ کو بھر لیا۔ یہ وہ لازوال سرمایہ تھا کہ اُسکے لٹنے یا گم ہو جانے کا کوئی امکان نہیں۔ امام بخاریؒ بہت بڑے مُحدّث اور مُفسّر تھے۔ اُن کی کتاب صحیح بخاری حدیثوں کی تمام کتابوں سے مُستند اور معتبر سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب انھوں نے بڑی احتیاط سے لکھی ہے کوئی غلط بات آنحضرتؐ سے منسوب کرنا گناہ ہی گناہ ہے۔ امام بخاریؒ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے دو رکعت

نفل پڑھتے، بارگاہِ خداوندی میں دُعا کرتے پھر لکھنا شروع کرتے۔ اس شان سے دنیا میں آج تک کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی۔ وہ ۱۹۴ھ ہجری میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ ۲۵۶ھ میں باسٹھ برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوئے۔
امام بخاریؒ کے پاس جو تحفے آتے انہیں رکھ کر وہ کیا کرتے۔ پیٹ کو روٹی کی ضرورت تھی۔ اِس لیے خیال ہوا کہ انہیں فروخت کر دینا چاہیئے۔ ان کا یہ خیال ظاہر ہوا تو شہر کے ایک تاجر نے آکر چیزوں کو دیکھا۔ پانچ ہزار درہم اس کے دام لگائے۔ امام بخاریؒ کو رقم کی بڑی ضرورت تھی اس لئے جی چاہا کہ فوراً سودا کر دیں، لیکن پھر رُکے رہے، کچھ سوچ کر بولے ـــ میں یہ بات کل طے کروں گا کہ مجھے یہ تحفے بیچنے ہیں بھی یا نہیں! وہ تاجر دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ سودا طے نہیں ہوا صرف ابتدائی بات چیت ہوئی۔
تاجر کے جانے کے بعد امام بخاریؒ اپنی ضرورتوں کا اندازہ لگاتے رہے، پھر سوچ سوچ کر انہوں نے اپنے دِل میں طے کر لیا کہ وہ یہ تحفے اِس تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیں گے۔ یہ ایک تصفیہ تھا جو انہوں نے دل ہی دل میں کیا تھا۔ کسی کو اِس تصفیہ کا حال معلوم نہ تھا۔ دوسرے دن اِس سے پہلے کہ وہ تاجر آتا، ایک اور تاجر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے پوچھا ـــ کیا بات ہے؟
اس نے کہا ـــ میں آپ کے تحفے آنکنے آیا ہوں، ان کی قیمت لگاؤں گا اور خرید لوں گا۔
امام صاحب اس کی بات سُنی اَن سُنی کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن آپ کے دوستوں نے کہا ـــ کیا حرج ہے، بتا دیجیے! آپ کو بھی ان کی مالیت کا اندازہ ہو جائیگا۔ ایک سے دوسرا تاجر دیکھتا ہے تو چیزوں کے دام اچھے لگتے ہیں۔ امام بخاریؒ تو چاہتے نہ تھے لیکن لوگوں کے اصرار پر اُس نئے تاجر کو بھی تمام تحفے دکھلا دیئے۔

اُس نے ایک ایک چیز کو جانچ پرکھ کر دام لگائے۔ سب کے دام جوڑے اور ان لوگوں سے جنھوں نے یہ تھنے دکھائے تھے کہا کہ ــــ میں ان سب کے دس ہزار درہم سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ یہ بہت واجبی قیمت ہے۔

پچھلے تاجر نے پانچ ہزار درہم لگائے تھے۔ صاف پانچ ہزار درہم کا فرق تھا! امام بخاریؒ کا بڑا فائدہ تھا۔ اس لئے وہ لوگ خوش ہوئے اور خوشی خوشی امام صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ ہر ایک کے ذہن میں یہ بات تھی کہ امام بخاریؒ ان دنوں شدید مالی پریشانی میں مُبتلا ہیں، اب ذرا نہیں اطمینان ہو گا۔

چنانچہ لوگوں نے کہا ــــ حضرت اچھا ہوا کہ ہم نے نئے تاجر کو مال دکھایا۔ اُس نے دس ہزار درہم لگائے ہیں۔

جواب مِلا ــــ جو دام بھی اُس نے لگائے ہوں چیزیں پہلے تاجر ہی کو ملیں گی!

پوچھا گیا ــــ کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ رات میں نے اپنے دل میں طے کر لیا تھا کہ میں اسی کے ہاتھ انہیں فروخت کر دوں گا۔

اگرچہ سودا پہلے تاجر سے نہیں ہوا تھا لیکن وہ اپنے دِل میں نیّت کر چکے تھے کہ تھنے اسی کے ہاتھ بیچیں گے۔ اس لیے یہ بات اب تقوے کے خلاف تھی کہ زیادہ دام آنے پر وہ اِن تھنوں کو کسی اور کے ہاتھ بیچتے۔

نیت عمل ہی کی ایک صورت ہے۔ اس لئے نیت کی بڑی اہمیت ہے اور نیت ہی پر حساب و کتاب کا دار و مدار ہے۔

دوسری آگ

آگ آگ — ہر طرف ایک شور مچا تھا۔ گھر کا ایک ایک فرد پریشان اِدھر سے اُدھر بھاگا بھاگا پھر رہا تھا لیکن صدرِ خاندان جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہے۔ جس کام میں لگے تھے دِل لگائے اسی میں مشغول رہے۔ ذرا اس بات کا خیال نہ کیا کہ آگ کے شعلے دَم بھر میں بڑھ کر ان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ گھر والے تھے کہ چیخ چیخ کر ان کو خبردار کر رہے تھے۔ ایک ایک شخص آواز دے رہا تھا کہ — اٹھئے، نکلئے، بھاگئے آگ بڑھ رہی ہے مگر وہ اللہ کے نیک بندے اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلے۔ آخر لوگوں نے آگ بجھائی تو گھر والوں کی جان میں جان آئی۔ سب اپنے بزرگ کے پاس سمٹ آئے مگر وہ بدستور نماز پڑھتے رہے اور اطمینان سے اپنی نماز پوری کر کے پلٹے۔ گھر والوں نے کہا — ہم چیختے رہے آپ نے ذرا توجہ نہ دی۔ سارے گھر میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔

ابنِ جوزی نے لکھا ہے انھوں نے جواب دیا — ایک دوسری آگ کے خیال نے اس طرف میرا دھیان جانے ہی نہیں دیا — یہ تھے حضرت علیؓ کے پوتے سیدنا حضرت حسینؓ کے صاحبزادے حضرت زین العابدین! ہم جو نماز پڑھتے ہیں تو دل کہیں ہوتا ہے نظر کہیں۔ نماز کیا ہوتی ہے بس فرض ٹالنے کا ایک بہانہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلعم مسجدِ نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صحابۂ کرام بھی تشریف فرما تھے
ایک صحابی نے ایک طرف ہو کر نماز پڑھی اور آکر صحابہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ امام الانبیاء
صلعم نے پوچھا — تم نے نماز پڑھ لی؟۔ انھوں نے عرض کیا — جی یا رسول اللہؐ!
آپؐ نے فرمایا — نہیں تم نے نماز نہیں پڑھی۔ جاؤ پھر نماز پڑھو!

انھیں یہ سنکر بڑا تعجب ہوا۔ تعمیلِ حکم میں اٹھے جاکر نماز پڑھ آئے۔ آکے بیٹھے ہی
تھے کہ پھر سوال ہوا — کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ انھوں نے عرض کیا۔ جی ہاں!
فرمایا — نہیں جاؤ پھر نماز پڑھو! جب تیسری مرتبہ واپس کرنے پر بھی انھوں
نے ٹھیک طریقے سے نماز نہیں پڑھی تو آپ صلعم نے انھیں نماز پڑھنے کا صحیح
طریقہ سکھلایا۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ دل جما کر ایک ایک رکن ادا کرنا چاہیئے۔

ارشادِ نبویؐ ہے کہ — آدمی ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے مگر پھر بھی اس کی
نماز نہیں ہوتی۔ عرض کیا گیا کہ کیوں؟ آپؐ نے فرمایا — وہ رکوع پورا کرتا
ہے نہ سجدہ!۔

حضرت زین العابدین فرماتے ہیں — ایک نماز خوف سے پڑھی جاتی ہے یہ غلامانہ
بندگی ہے کہ ڈر کے مارے نیکی کی جاتی ہے۔ ایک نماز صلے کی خاطر پڑھی جاتی ہے
تاکہ جنت میں جگہ ملے یہ تاجرانہ عبادت ہے کہ لالچ کے مارے نیکی کی جاتی ہے۔
مجھے وہ لوگ پسند ہیں جو صرف شکر لئے اور تحدیثِ نعمت کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا — نماز پڑھو تو یہ خیال رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے
ہو۔ عرض کیا گیا — اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے یا رسولؐ اللہ؟
ارشاد ہوا — یہ بات ذہن میں رکھا کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے!
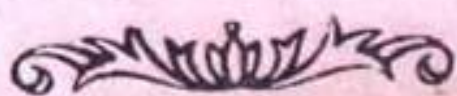
لعنت

یہ تم نے لعنت کس پر بھیجی؟ ـــــ ایک مسلمان پر! کیا یہ سچ ہے؟ ـــــ
حضرت اُم دَرْدَاؓ نے عبدالملک بن مروان سے پوچھا۔ وہ اُن دنوں مہمان بن کر دمشق گئی تھیں جو بنو امیہ کا پائے تخت تھا۔
نوکر اور پھر گھر کے نوکر کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اُسے گھڑکتے ہیں جھڑکتے ہیں، مارتے ہیں پیٹتے ہیں۔ نکال دیتے ہیں۔ کچھ ظالم آقا اور بھی ظلم کرتے ہیں نہ جانے کیا کیا۔
اسلام نے بتایا نہیں یہ بات غلط ہے۔ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں ان کا بھی اسی طرح خیال رکھو جس طرح تم اپنا خیال رکھتے ہو۔ خود جو کھاؤ انہیں کھلاؤ خود جو پہنو انہیں پہناؤ۔ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر انھیں حقیر اور ذلیل نہ کرو!
اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں جزیرہ نمائے عرب میں خادم یا نوکر جانوروں سے بدتر سمجھے جاتے تھے۔ یونان اپنی ترقی کے اعلےٰ ترین دور میں بھی خادموں کو کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا۔ گھریلو ملازم ہی نہیں۔ کاشتکار، مزدور۔ چھوٹے موٹے تاجر، غریب غربا، عوام سب کے سب یونان میں انصاف اور عزت سے محروم تھے اور ان سے بڑا انسانیت سوز سلوک کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے وہاں عوام کو شدر قرار دیا گیا یعنی ملعون! یہ لوگ ویدوں اور پرانوں کو

چھونا ایک طرف ان کے اشلوک بھی نہ سُن سکتے تھے۔ اگر غلطی سے یہ لوگ کسی ایسی جگہ پہنچ جاتے جہاں بھجنوں کا پاٹ ہو رہا ہوتا تو ان کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آقاؤں کو چھو بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کا سایہ رسوئی پر پڑ جاتا تو روٹی پھینک دی جاتی۔ ذات پات کی یہ تفریق آج بھی باقی ہے! اس دَور میں بھی کوئی برہمن کوئی کھشتری کسی شدر کے ہاتھ کا چھوا کھانا پیتا نہیں۔ اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا نہیں۔ اسے اپنے مندروں کے قریب آنے نہیں دیتا۔ امریکہ افریقہ اور یورپ کے بعض حصّوں میں آج کل بھی رنگ و نسل کا یہ امتیاز برتا جاتا ہے حالانکہ یہ بات انسانوں کو زیب نہیں دیتی۔ اسلام نے طاقت کے پندار اور نفرت کے اس جذبے کو توڑ دیا اور بتایا کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ آقا اور خادم مالک اور غلام ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ مسلمانوں میں تو یہ رشتۂ اخوت اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ رنگ، نسل، زبان، جغرافیائی حُدود یا کوئی اور بندھن اس رشتہ کو توڑ نہیں سکتا۔

حضرت ام درداؓ بڑھاپے کے زمانے میں ایک بار عبدالملک بن مروان کی مہمان بنیں۔ راتیں عبادت میں گذرتی تھیں۔ ایک رات انھوں نے سنا کہ عبدالملک زور زور سے کسی کو آواز دے رہا ہے۔ شاید وہ نیند سے جاگا تھا۔ حکمرانِ وقت کی حیثیت سے عبدالملک بڑا سخت مزاج اور اکھڑ واقع ہوا تھا۔ ویسے تھا وہ بڑا علم والا ـــــ نہ جانے کیا ضرورت پڑی کہ اس نے اپنے ملازم کو آواز دی۔ اسکے آنے میں دیر ہوئی تو عبدالملک نے غصّے میں اپنے خادم پر لعنت بھیجی۔ وہ حکمرانِ وقت تھا، اس کے غصّہ کو کون روک سکتا تھا۔

غصّہ آتا ہے تو ہم لوگ بھی بڑی آسانی سے ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے ہیں۔ کبھی زبان سے کبھی ہاتھ کے اشارے سے۔ بعض اسے محض مذاق سمجھتے ہیں اور اسکی ممانعت

کا صحیح انداز نہیں رکھتے۔ حکم ہے کہ ایک مسلمان دوسرے پر کبھی لعنت نہ بھیجے۔
صحیح مسلم کی فصلِ آداب میں ہے کہ صبح ہوئی تو حضرت اُم درداؓ نے عبدالملک سے پوچھا۔ تم نے رات کس پر لعنت بھیجی تھی؟
عبدالملک نے کہا ۔ میں اپنے ملازمِ خاص پر خفا ہو رہا تھا۔
حضرت اُمِ دَرداؓ نے فرمایا ۔ کیا وہ مسلمان نہیں!
عبدالملک نے کہا ۔ جی! وہ مسلمان ہے!
حضرت ام درداؓ بڑی عابد و زاہد صحابیہ تھیں۔ حضرت ابودرداؓ ۔ انکے خاوند قرآن اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ یہی حال حضرت اُم درداؓ کا بھی تھا۔
مسلمانوں کو حکم ہے کہ اگر کسی کو غلطی پر دیکھو تو اسے صحیح بات بتاؤ۔ یہ حکم عام ہے بڑے چھوٹے کی اس میں کوئی تمیز نہیں۔ بس اصلاح کی یہ کوشش حکمت و دانائی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت ام درداؓ نے عبدالملک کو ٹوکا۔ ذرا بھی اس بات کی پروا نہ کی کہ وہ حکمرانِ وقت ہے۔ فرمایا کہ ۔ شاید تمہیں یاد نہیں رہا کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے روکا ہے۔ آپ صلعم کے ارشادِ مبارک کا مطلب ہے کہ ۔ کسی مسلمان پر لعنت بھیجنے والا قیامت کے دن میری شفاعت کا مستحق نہ ہوگا۔

نیک گمان

دجلہ کے کنارے جاتے جاتے نظر اُٹھی تو دیکھا کہ ایک عورت لیٹی تھی اور ایک مرد اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مرد کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی۔ کبھی وہ بوتل سے خود پیتا کبھی اس عورت کو پلاتا۔ دُور سے تو بس یہی کچھ نظر آتا تھا۔ وہ کون تھے کس عمر کے تھے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

دجلہ سے اس وقت گذرنے والے اللہ کے نیک بندے تھے — حضرت حسن بصریؒ!
وہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کی گود کے کھلائے تھے، ان کی ماں حضرت اُم سلمہ کی خادمہ تھیں۔ وہ کام میں ہوتیں تو حضرت اُم سلمہؓ اپنی خادمہ کے بچے حسن کو گود میں اٹھا لیتیں۔ حضرت حسن بصریؒ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے اور انھوں نے ہی حضرت اُم سلمہؓ کی خادمہ کے بیٹے کا نام رکھا حضرت حسن بصری کو یہ شرف حاصل رہا کہ اور بھی اُمہات المومنین نے انہیں گود دن کھلایا، تیرہ چودہ برس کی عمر تک وہ اُمہات المومنین کی تربیت میں رہے۔ بہت سے جلیل القدر صحابہؓ کو دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ بدری صحابہؓ میں سے ستّر سے انھوں نے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔ یوں تو صحابہؓ میں ہر ایک کی بڑی فضیلت ہے مگر بدری صحابہؓ کا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وظائف مقرر کئے تو بدری

صحابہؓ ہی کا روزینہ سب سے زیادہ رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی بیعت لی تو سب سے پہلے ان ہی کو موقع دیا۔ یوں تو کسی صحابیؓ کے جنتی ہونے میں شبہ نہیں، لیکن بدری صحابہؓ کے جنتی ہونے کے بارے میں تو بہت سی روایتیں ملتی ہیں۔

اتفاق کی بات کہ عین اسوقت جب حضرت حسن بصری بوتل والے مرد کے پاس سے گزر رہے تھے چیخ پکار کی آوازیں نہیں سنائی دیں جانے کیا ہوا کہ ایک کشتی جو دریا میں رواں تھی الٹ گئی۔ دریا زوروں پر تھا۔ موجوں کی اچھاڑ پچھاڑ میں کشتی کے مسافروں کے ڈوبنے ابھرنے سے قیامت کا سماں پیدا ہو گیا۔

حضرت حسن بصری نے دیکھا کہ حبشی مرد اپنی جگہ سے اٹھا ہوا کے جھونکے کی طرح نکلا۔ غڑاپ سے دریا میں کود پڑا۔ نہ دریا کی طغیانی کی اس نے پروا کی نہ اپنی جان کا خیال کیا۔ اللہ نے ایسی ہمت اسے دی تھی اور ایسا بڑا پیراک وہ تھا کہ ایک کے بعد ایک نو آدمیوں کی جان بچا کر وہ دریا سے نکال لایا۔ کشتی میں کل دس مسافر تھے۔ صرف ایک مسافر ابھی دریا میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، اسے کچھ تیرنا آتا تھا لیکن وہ گھبرایا ہوا تھا۔ مدد کی تو اسے بھی ضرورت تھی لیکن فوری خطرہ کوئی نہ تھا۔

حبشی اسے دریا میں سے نکالنے کے بجائے سیدھا حضرت حسن بصری کے پاس آیا۔ بولا —— حضرت! ان نو کو تو میں اللہ کے فضل سے بچا لایا ہوں۔ اب ذرا ایک کو آپ ڈوبنے سے بچائیے۔

حضرت خاموش رہے، وہ جانتا تھا کہ یہ کام ان کے بس کا نہیں۔ خیر خود ہی دوڑا اسے بھی بچا لایا۔ جب مسافر حواسوں میں آئے تو حبشی چپکے سے حضرت کے پاس آیا۔ بولا —— وہ جس عورت کو آپ نے میرے ساتھ دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا وہ میری ماں ہے بہت سخت بیمار ہے، میں اسے اٹھائے لیے جا رہا تھا کہ اس کی حالت بگڑ گئی تو میں نے اسے یہاں لٹا دیا۔ وہ جو بوتل آپ نے میرے ہاتھ میں دیکھی تھی اور جسے

دیکھ کر آپ نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا اس میں دجلہ کا پانی ہے جو میں اپنی ماں کو پلا رہا تھا۔ پیاس سے میرا بھی برا حال تھا اس لئے میں خود بھی اس سے ایک ایک گھونٹ پی رہا تھا۔ حضرت حسن بصری پہلے ہی اس کی نیکی دیکھ کر تحسین و آفریں کر رہے تھے۔ اب یہ تفصیل سنی تو انہیں بہت افسوس ہوا کہ خواہ مخواہ انھوں نے بدگمانی کی۔ آپ نے اس حبشی سے معافی مانگی اور اللہ تعالےٰ کے حضور گڑگڑا کر توبہ کی۔ توبہ کرنا اللہ کو پہچاننا ہے جو اللہ کو پہچانتا ہے وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے۔ شافعِ محشر صلعم کا ارشاد ہے کہ — میں تم سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں معلوم ہوا کہ علم و عرفان میں جو جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی زیادہ اس پر خوفِ خدا طاری ہوگا۔

حضرتِ حسن بصری تو خیر بہت بڑے تابعی اور بہت بڑے بزرگ تھے — یہ واقعہ اصل میں ہم لوگوں کے لئے ایک سبق ہے کہ ہم کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ کسی کے بارے میں بدگمانی نہ کریں۔

اچھا وہی ہے جو دوسروں کے بارے میں ہمیشہ اچھا خیال رکھے۔

پکّا قلعہ

ایک بادشاہ تھا۔ بہت بڑا بادشاہ! اُس نے حکم دیا کہ — ایک قلعہ بناؤ بہت مضبوط اور بہت پائیدار ہو!

عرض کیا گیا کہ — شاہا! اس میں تو بہت خرچہ ہوگا۔

فرمان ہوا — خرچ کی فکر نہ کرو۔ شاہی خزانے کے منہ کھول دیے جائیں گے۔ جب اور جتنا روپیہ چاہیئے لے جاؤ اور خرچ کرو۔ ہم پانی کی طرح روپیہ بہانے کو تیار ہیں، مگر حکم یہ ہے کہ وہ قلعہ ایسا مضبوط بنایا جائے کہ ہمارا بڑے سے بڑا حریف بھی اسے سَر نہ کرسکے۔ دشمن کی ہزاروں لاکھوں کی فوج آئے تو اس کی فصیلوں سے سر پھوڑ کر مرجاتے اور ہمارا بال بیکا نہ ہو۔

حکم کی دیر تھی کہ شاہی عمارت سازوں نے نقشے بنائے اور کام شروع کردیا۔ ہر روز اس منصوبے پر بات ہوتی، سیسہ پلائی ہوئی دیواریں کیسے بنیں گی کہاں بنیں گی۔ بادشاہ بڑا خوش تھا کہ وہ ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بنوا رہا ہے۔

دن رات کی محنت سے کئی برسوں میں آخر وہ قلعہ تیار ہوگیا جس نے دیکھا تعریف کی اور بادشاہ کو مبارکباد دی۔ خوشامدیوں کی بن آئی ہر آمین گویوں تو زمین و آسمان کے قلابے ملا نا تھا مگر انہی ضمیر فروشوں میں ایک اللہ کے بندے لیے

بھی تھے جو اس سارے تماشے پر چپ رہے جب بادشاہ نے دیکھا کہ یہ کچھ نہیں بولتے تو ان سے پوچھا۔ کیا بات ہے، آپ کچھ نہیں بولتے؟

پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ جہاں جھوٹے۔ فریبی۔ مکار۔ خود غرض اور بدنفس لوگ ہوتے ہیں، وہاں سچے اچھے اور اللہ سے ڈرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس اللہ کے نیک بندے نے بادشاہ سے کہا۔ جہاں پناہ! آپ نے اور آپ کے والد نے بڑے قلعے جیتے اور بڑی فتوحات کیں۔

بادشاہ نے کہا۔ ہاں! اس اللہ والے نے کہا ———— شاہا! کیا وہ قلعے مضبوط نہ تھے؟ بادشاہ نے جواب دیا۔ مضبوط کیوں نہ تھے یہ تو ہمارا کمال ہے کہ ہم نے ان مضبوط قلعوں کو سر کیا۔

اس عقلمند نے کہا۔ معلوم ہوا کہ قلعہ چاہے کتنا ہی مضبوط ہو سر کیا جا سکتا ہے! سلطنت کی مضبوطی قلعے اور فصیل سے نہیں بلکہ بادشاہ کے اخلاق اور عدل سے ہوتی ہے۔ لوگوں سے نیک سلوک کیجئے ان میں سے ہر ایک آپ کے لئے مضبوط قلعہ بن جائے گا۔ اُن کی دعائیں آپ کے لئے حصار کا کام کریں گی۔ حضور والا! تجربہ بتاتا ہے کہ مضبوط رہنے اور نہ ٹوٹنے والی شئے صرف نیکی ہے اور نیکی کا سرچشمہ عدل ہے۔

ایک ارشادِ نبویؐ کا مطلب ہے ـــ اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش وخرم اور آباد رکھے جو میری بات غور سے سن کر اسے یاد کرلے اور محفوظ رکھے، مطلب یہ کہ اس پر عمل کرے۔

سُننِ ابو داؤد اور جامع ترمذی میں ہے، اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ـــ یہ بھی اس کا فریضہ ہے کہ میری بات دوسروں تک پہنچائے۔ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھی اور بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے نگران کار بھی۔

ہم نے نگرانِ کاری کے فریضہ کو بھلا دیا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ایک دوسرے سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اچھی باتوں پر عمل کرنے اور اچھی باتوں پر عمل کروانے کی کوشش ہی سے کوئی معاشرہ زندہ رہ سکتا اور ترقی کر سکتا ہے ورنہ معاشرہ بکھر جاتا ہے۔ نیکی کرنا اور کروانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ نیکی جوڑنے والی ہوتی ہے اور بُرائی بانٹنے اور توڑنے والی۔ نیکی کرنے والا چاہا جاتا ہے۔ بُرائی کرنے والا منہ چھپاتا پھرتا ہے نیکی قوت ہے اور اتنی بڑی قوت کہ اس کے آگے قلعہ، فصیل، حصار کوئی کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

شجاعت

دشمنوں کی فوجیں کھڑی ہوئیں اور انھوں نے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کیا۔ تیر، تلوار، تبر، بھالے، فلاخن دبّابے ہر طرح کے آلاتِ جنگ تھے۔ ایک سے ایک بہادر، ایک سے ایک دِلاور جان کی بازی لگائے دن بھر لڑتا رہا۔ دونوں طرف سے بیسیوں سپاہی کھیت ہوئے۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر سورج ڈوبا، رات کی سیاہی پھیلی اور لشکری اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چلے گئے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی ہونے لگی، جو مارے گئے انھیں دفنایا گیا۔

بہادر اپنے اپنے خیموں میں بیٹھے اپنے ہتھیار صیقل کرنے لگے کہ دن نکلتے ہی پھر انھیں دادِ شجاعت دینی تھی۔ یہ لڑائی کرمان کے والی اور عُضدالدولہ میں ہو رہی تھی۔ حملہ کرمان پر ہوا تھا اور عُضدالدولہ حملہ آور تھا۔ کرمان کے والی نے دیکھا کہ حملہ آوروں کی طاقت زیادہ ہے۔ کھلے میدان میں مقابلہ کرنا ممکن نہیں تو قلعہ بند ہو کر لڑنے لگا۔

ادھر عُضدالدولہ شیر ہوا جا رہا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ کرمان کا والی کچھ مال نہیں ذرا موقع ملے تو ایک ہی ہلّے میں اس کا کام تمام کر دوں گا۔ مگر کرمانیوں کی فوج بھی جم کر لڑ رہی تھی۔ عُضدالدولہ آہستہ آہستہ قلعے کے قریب ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ایک موقع ایسا آیا کہ

وہ قلعے کی دیوار تلے آکر اپنے مخالف سے لڑنے لگا۔

فوجیں قلعہ بند ہو جاتی ہیں تو لڑائی کا حال جلد نہیں کھلتا۔ اِدھر عضدالدولہ کو فکر تھی کہ جلد قلعہ فتح ہو جائے۔ لڑائی بے شک ہتھیاروں کا کھیل ہے لیکن بہادری صرف ہتھیار چمکانے کا نام نہیں۔

ایک مرتبہ جو کچھ ارشادِ نبویؐ ہوا اس کا مطلب ہے کہ ــــــــــــ

بہادر وہ نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے۔ بہادر وہ بھی ہے جو غصّے کو اپنے بس میں رکھے اور بھی کئی صورتیں ہیں جن سے بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔ دشمن قابو میں ہو اور اس سے بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ بھی بہادری ہے، خطاکار کو معاف کردینا بھی بہادری ہے صبر کرنا بھی بہادری ہے۔

جس دن عضدالدولہ کا لشکر قلعہ کی دیواروں تک پہنچا اس دن خوب گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں فوجوں نے دل کھول کر بہادری دکھائی۔ آخر جب سورج غروب ہوا اور فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ میں چلی گئیں تو عضدالدولہ کی فوجوں نے دیکھا قلعہ کی ایک طرف سے دیگیں ہی دیگیں چلی آرہی ہیں۔ عضدالدولہ کے سپاہیوں نے دیکھا یہ لوگ سیدھے ان کی طرف آرہے ہیں تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔ جیسے ہی پہلی دیگ قریب آئی گرم گرم کھانے کی خوشبو امڈ آئی۔ پھر بھی انھوں نے سمجھا ممکن ہے ایک دو دیگوں میں کھانے کی چیزیں ہوں باقی میں کچھ اور لیکن سب دیگیں کھانے ہی کی تھیں ــ دشمن اور تواضع، بات کچھ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ دنیا تو کہتی ہے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ روا ہے لیکن اسلام کہتا ہے ــــ نہیں! کردار کو ہر قیمت پر باقی رہنا چاہیئے۔ رزم ہو یا بزم ہماری قدروں میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہم ہر حالت میں اللہ کے آگے جواب دہ ہیں۔

بات عضدالدولہ تک پہنچی اسے بھی بڑا تعجب ہوا۔ کچھ نے کہا۔ کھانے میں زہر نہ ملا

ہوا ہو۔ دشمن پھر دشمن ہوتا ہے، احتیاط کی ضرورت ہے۔

عضد الدولہ نے کہا ـــــ یہ بات بھول جاؤ۔ میرا دشمن کمینہ نہیں ہے

کھانا کھا چکنے کے بعد اس نے کرمان کے حکمراں کو کہلوایا کہ ـــــ یہ دن کے لڑنے اور رات کو کھانا بھیجنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب ملا ـــــ لڑنا تو اعلانِ بہادری ہے، دشمنوں کو کھانا کھلانا شانِ بہادری ہے۔ آپ لوگ اگرچہ میرے مخالف ہیں لیکن میرے شہر میں مسافر ہیں اور قلعہ کے اس قدر آکر میرے پڑوسی بن گئے ہیں۔ یہ بات مروّت اور شرافت سے بعید ہے کہ آپ مسافر اور پڑوسی ہوں اور خود پکا کر کھائیں۔

عضد الدولہ شیرِ ژیاں تھا۔ میدانِ جنگ میں تو وہ ڈھیر نہ ہو سکا لیکن اس شانِ بہادری کے آگے ڈھیر ہو گیا۔ صبح کا سورج طلوع ہوا تو کرمانیوں نے دیکھا کہ دشمن کا لشکر اپنا پڑاؤ اٹھائے جا رہا ہے۔ کسی نے عضد الدولہ سے پوچھا ـــــ آپ تو کرمان فتح کرنے کے لیے آئے تھے؟۔ اُس نے جواب دیا ـــــ ہاں! میں ہار کر جا رہا ہوں۔ ایسے بہادر سے کیا لڑنا!۔

عضد الدولہ آلِ بویہ کا سب سے بڑا امیر تھا۔ ۴۸ برس کی عمر میں ۳۷۳ھ م ۹۸۳ء میں فوت ہوا۔

عزت

صبح صبح کشتی میں شور اٹھا کہ ——— میں لُٹ گیا ——— تباہ ہوگیا!
لوگوں نے کہا — خیر ہے!؟ کیا بات ہوئی کچھ بتاؤ تو سہی، مگر وہ آدمی تھا کہ بس
چلّائے جا رہا تھا، ایک ہی رٹ لگی تھی کہ میں غریب لُٹ گیا۔ کشتی کے سب ہی مُسافر
ایک جگہ جمع ہوگئے۔
ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ کسی کو کچھ معلوم ہوتا تو بتاتا کہ کیا بات
ہوئی۔ کشتی بہت بڑی تھی اچھا خاصا جہاز تھا مُسافروں کی بہت بڑی تعداد تھی۔
عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے، ان ہی میں ایک طرف ایک بڑے عالم فاضل اللہ
کے بندے بھی بیٹھے تھے۔ شور پکار کی آوازیں اُنھوں نے بھی سُنیں۔
رونے پیٹنے والے کو سمجھا بجھا کر جب بات پوچھی گئی تو اُس نے کچھ یوں کہا کہ —
غریب مُسافر ہوں ایک تھیلی میں زندگی بھر کا سرمایہ میں نے چھپا رکھا تھا۔ کوئی
ظالم وہ تھیلی چُرا لے گیا! سب کو یہ سُنکر بڑا افسوس ہوا۔ آخر پوچھنے والوں نے
یہ بھی پوچھا کہ کتنا مال تھا تھیلی میں؟ اُس نے بتایا کہ ایک ہزار اشرفی تھیلی میں
تھیں۔ کل شام تک یہ تھیلی میرے پاس تھی رات کسی نے اُچک لی۔
ایک ہزار اشرفی بہت بڑی رقم ہوتی ہے، جس نے سُنا اسے افسوس ہوا، کچھ

لوگ بل بیٹھے کشتی کے مالک کو بلایا سارا ماجرا اُسے کہہ سنایا۔
اس نے کہا۔ اگر تھیلی کشتی میں گئی ہے تو پتہ چل جائے گا۔ میں سب مسافروں کی جھڑتی لیتا ہوں۔ آناً فاناً یہ خبر سارے جہاز میں پھیل گئی۔ کڑی نگرانی میں تمام مسافروں کی جھڑتی ہوئی، مگر کسی کے پاس سے گمشدہ تھیلی نہ نکلی اب لوگ اس شخص پر الٹ پڑے۔ طرح طرح کی جرح ہوئی اور ہوتے ہوتے سب کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص جھوٹا تھا۔ جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے، سب اُس کو بُرا بھلا کہہ کر اپنی اپنی جگہ جا بیٹھے۔ جھوٹا پٹ پٹا کر اپنی جگہ آ بیٹھا۔ جب تک سفر جاری رہا مسافر اسے پھٹکارتے رہے ـــــ جھوٹ، دھوکا، فریب کبھی پنپ نہیں سکتے۔ انکے نتائج ہمیشہ بُرے ہوتے ہیں اور سخت بُرے، اللہ ان بُرائیوں کا بدلہ اسی دنیا میں دیتا ہے
ہوا یہ کہ جب سفر شروع ہوا تو یہ جھوٹا پھرتا پھراتا جہاز میں گشت کرتا ایک عالم فاضل اللہ کے بندے کے پاس بھی پہنچا پھر تو بس اُن کی خدمت میں رہنے لگا۔ انھیں کیا پتہ کہ یہ دل میں کیا زہر لئے بیٹھا تھا، وہ اُس کے اخلاق درست کرنے اُسے اللہ اور رسولؐ کی باتیں بتانے میں لگے رہے اور وہ جعلساز اپنی کرید میں لگا رہا۔ آخر ایک دن اُسے معلوم ہو گیا کہ اُن اللہ کے نیک بندے کے پاس ایک تھیلی میں ہزار اشرفیاں پڑی ہیں۔ لالچ آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہنے دیتی، اب اس فریبی کو ہر لمحہ یہ فکر کھانے لگی کہ کسی طرح ہزار اشرفی کی تھیلی اُڑا لے۔ جب کوئی اور تدبیر نہ آئی تو اُس نے وہ کھیل کھیلا کہ سب لوگوں لوگوں کو پریشان کر گیا۔ تمام مسافروں کو تلاشی دینی پڑی۔ تلاشی ان عالم فاضل کی بھی ہوئی لیکن کسی کے پاس سے تھیلی نہ نکلی۔ جب دریا کا سفر ختم ہوا اور کشتی کنارے لگی، تمام مسافر اتر گئے تو اُس جھوٹے نے اُن اللہ کے نیک بندہ سے پوچھا ـــ کیا آپ نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا کہ آپ کے پاس ہزار اشرفیوں کی تھیلی تھی۔ انھوں

نے کہا ــــ نہیں !

اس نے پوچھا ــ پھر وہ تھیلی گئی کہاں ؟

انھوں نے جواب دیا ــ جب تو نے اپنی تھیلی گم جانے کا ڈھونگ رچایا تو میں سمجھ گیا کہ تو نے میری تھیلی ہتھیانے کے لئے یہ سب کھیل کھیلا ہے تھیلی میرے پاس سے نکلتی تو سب کو یقین ہو جاتا کہ میں چور ہوں ۔ صلح صفائی کا موقع تو بعد میں آتا، لیکن میرے مُنہ پر ہر ایک مجھے بُرا بھلا کہتا ۔ اس لئے میں نے چپکے سے وہ تھیلی دریا میں ڈال دی ۔ جھوٹے نے کہا ــــ ہزار اشرفیاں آپ نے دریا میں ڈال دیں !

جواب ملا ــــ ہاں ! اُس نے کہا ــــ تب تو آپ کا بڑا نقصان ہوا ۔ جواب ملا ــــ نیکی کا بدلہ بُرائی سے دینے والے میرے ظالم دوست ! اہمیت دولت کی نہیں عزت کی ہے اور عزت ایک آبگینہ ہے ــــ بڑا حساس اور بڑا نازک آبگینہ ! اسے بچانے کے لئے تو آدمی جان کی بازی بھی لگا دیتا ہے ــــ یہ ارشاد فرمانے والے تھے امام بخاریؒ ۔

خدمت

رات کا وقت تھا لوگ اپنے اپنے گھروں میں جمع تھے کسی کام سے حضرت طلحہؓ اپنے
گھر سے نکلے۔ وہ اپنے راستے پر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کوئی شخص ان کے آگے
آگے جا رہا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سڑکوں پر روشنی کا انتظام تھا نہ
بڑی بڑی سڑکیں ہوتی تھیں۔ چھوٹے سے شہر تھے ان کی چھوٹی چھوٹی گلیاں
تھیں۔ یہ شہر جس کی ایک گلی میں حضرت طلحہؓ نے کسی کو دیکھا مدینۃ النبیؐ تھا۔
حضرت طلحہؓ کچھ آگے بڑھے تو اندھیرے ہی میں انہوں نے پہچان لیا کہ یہ عمرؓ بن خطاب
ہیں۔ چاہا کہ آگے بڑھ کر ان سے مل لیں مگر اوزاعی کی روایت ابونعیم نے اپنی کتاب
حلیۃ الاولیاء میں دی ہے کہ حضرت عمرؓ جلدی سے ایک بوسیدہ خیمے میں گھس گئے۔
حضرت طلحہؓ ان کا انتظار کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ایک اور
خیمے میں گھس گئے۔ حضرت طلحہؓ سمجھ گئے کہ وہ کیا کر رہے ہیں جب صبح ہوئی تو اس خیمے میں
پہنچے جس میں حضرت عمرؓ پہلے داخل ہوئے تھے۔ آواز دے کر اندر گئے تو دیکھا
اس میں ایک بڑھیا رہتی ہے۔ آنکھوں سے اسے دکھائی نہیں دیتا، کچھ دیر کیلئے
وہ اس کے پاس بیٹھ گئے پھر اس سے بولے ــــ مائی! تیرا کام کاج میں کر دیا کروں؟
اس نے کہا ــــ نہیں بیٹا اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ روزانہ

ایک فرشتہ میری خدمت کے لئے بھیجتا ہے۔ وہ میری ضرورت کے سب کام کر دیتا ہے
حضرت طلحہؓ نے پوچھا ـــــ تم پہچانتی ہو کہ وہ کون ہے؟ بڑھیا بولی ـــــ نہیں بیٹا!
میں نے کبھی اس سے نہیں پوچھا کہ وہ کون ہے۔ جب یہ تفصیل بڑھیا سے معلوم ہوئی
تو حضرت طلحہؓ بے اختیار اپنے دوست کو دعائیں دیتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے صحابہ کرام
نے یہ ساری باتیں اللہ کے رسولؐ سے سیکھی تھیں۔ حضورِ اکرم لوگوں کے دکھ درد میں
شریک ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ جو بوڑھے، بیمار پریشان حال ہوتے
آپؐ خاص طور سے ان کی خبر گیری کرتے۔ ان کے لئے بازار سے سودا لا دیتے۔ حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں آپؐ گھر میں ہوتے تو گھر کے کاموں میں ہمارا
ہاتھ بٹاتے حتیٰ کہ جھاڑو دیتے کپڑے سیتے۔ ابورافع اسلمؓ کہتے ہیں جب کبھی میں آٹا
گوندھتا ہوتا اور آپ کسی کام سے مجھے اٹھا دیتے۔ تو بیٹھ کر میرا آٹا گوندھتے۔ میرے ماں باپ
آپؐ پر فدا ہوں آپؐ کو کس درجہ ہم لوگوں کا خیال رہتا تھا۔

عدی بن حاتمؓ ذکر کرتے ہیں جب میں پہلی مرتبہ اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں
حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا آپؐ کے دروازے پر آئی آپؐ اس کے
ساتھ نکل پڑے۔ جو الفاظ میں نے آپؐ کی زبانِ مبارک سے سُنے وہ یہ
تھے کہ اے خاتون! تو جہاں چاہے مجھے لے جا میں تیرے ساتھ چل کر تیرا
کام کر دوں گا!

وہ معاشرہ جس میں ایک دوسرے کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اس میں اتحاد محبت اور
اخلاص کے جذبات کم ہو جاتے ہیں اور لوگوں میں خود غرضی بڑھ جاتی ہے۔
اسلام ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے جس میں سب ایک دوسرے کے رفیق اور
ساتھی ہوں۔

اسمٰعیل شہیدؒ

محفل ختم ہو گئی تو لوگ گھروں کو چلنے کے لئے اُٹھے۔
مجمع بڑا تھا اس لئے آہستہ آہستہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ رہے تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو صاحبِ محفل کو سلام کرنے اور ان سے ہاتھ ملانے کے لئے رُکے ہوئے تھے ان میں بڑی تعداد انکے عقیدتمندوں کی تھی اور کچھ قریب کے ملنے والے تھے جو مزاج پُرسی کر لینا چاہتے تھے۔
یہ اجتماع سید اسمٰعیل شہیدؒ صاحب کی وجہ سے ہوا تھا۔ سید صاحب تحریکِ آزادی کے بہت بڑے مجاہد تھے۔ بالاکوٹ صوبہ سرحد میں حضرت سید احمد شہیدؒ کا مزار ہے، یہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مرشد اور رہنما تھے۔ ان کا اپنا مزار بھی وہیں پاس ہی ہے شاہ صاحب بلا کے ذہین اور بے تکان بولنے والے تھے۔ اللہ نے علم بھی دیا تھا عمل بھی اور طلاقتِ لسانی بھی۔
صراطِ مستقیم جیسی کتاب انھوں نے مرتب کی اور تقویۃ الایمان جیسی کتاب لکھی جو لاکھوں کی تعداد میں بکی۔ آثار الصنادید کے آخری باب میں سید احمد خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ہفتہ میں دو دن جمعہ اور منگل کو وہ جامع مسجد دہلی میں تقریر کرتے اور جہاں کسی بھٹکے ہوئے گروہ کی خبر پاتے وعظ و نصیحت کے لئے

بے تکلف وہاں پہنچ جاتے۔

دل میں ہمیشہ ایک ہی تڑپ رہتی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچادیں ہر مسلمان کو حکم ہے کہ جو علم اسے حاصل ہو وہ دوسروں تک پہنچادے تاکہ علم پھیلتا رہے۔ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ دین کی باتیں جاننے لگیں اور اُن کے اخلاق درست ہوں۔

صحابۂ کرام سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفلوں سے اُٹھتے تو دوسروں کو جو محفلوں میں حاضر نہ رہتے اس نشستِ کی باتیں بتادیا کرتے تھے۔ دین کو پھیلانے اور اخلاق کو درست کرنے کی ذمہ داری ہر مسلمان پر ہے۔ جب تک یہ بات ہمارے ذہنوں میں رہی ہم یہ کام کرتے رہے۔ نتیجہ یہ کہ دور دور تک اسلام پھیلا، جب سے ہم نے اس فریضے کو بھلادیا حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان بھی بس نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ دین کی ابتدائی باتیں تک وہ نہیں جانتے۔ نہ کوئی دوسرے کو اچھے کام پر ابھارتا ہے، نہ بری بات پر ٹوکتا ہے۔ شاہ صاحب کو اس بات کا بڑا احساس تھا۔ جہاں وہ دیکھتے کہ مناسب موقع ہے لوگوں کو دین کی باتیں بتانے کھڑے ہوجاتے اکثر راستہ چلتے چلتے لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر رک جاتے اور جتنے لوگ جمع ہوتے ان سے گفتگو کرنے لگ جاتے۔

جس محفل کا یہ تذکرہ ہے وہ ان کے وعظ کے لئے منعقد ہوئی تھی۔ لوگوں سے مل ملاکر وہ رخصت ہو رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا دُور سے ایک شخص دوڑتا ہوا ان کی طرف چلا آرہا ہے۔ وہ شخص قریب آیا تو آپ نے دیکھا آس پاس کے کسی دیہات کا رہنے والا ہے۔ ہانپتا کانپتا وہ ان کے پاس آیا اور خاموش ان کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ شاہ صاحب نے پوچھا — بھائی کیا بات ہے؟ کیوں دوڑے چلے آرہے ہو؟ — اس نے بڑے افسوس سے کہا — جی کیا بتاؤں بڑا بدقسمت ہوں۔ راستہ بھر

دوڑتا ہوا آیا۔ پھر بھی محروم رہا۔

شاہ صاحب نے پوچھا۔ کس چیز سے محروم رہے کچھ بتاؤ تو سہی!

اسنے جوابدیا۔۔۔ جی میں تو آپ کا وعظ سننے آیا تھا۔ وقت ٹھیک سے معلوم نہ تھا۔ یہاں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ جا رہے ہیں۔ آپ کا وعظ ختم ہو گیا۔ بس اسی کا افسوس ہے۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔۔ اس میں افسوس کی کیا بات ہے، وہی باتیں جو میں ہزاروں کے مجمع کو سنا چکا ہوں تم کو بھی سناتا ہوں۔ بیٹھ جاؤ! لفظ بلفظ وہی تقریر دہرا دوں گا۔

اس نے بڑی حیرت سے شاہ صاحب کی طرف دیکھا پھر بولا۔۔۔ مجھ اکیلے کیلئے آپ یہ تکلیف کریں گے؟

فرمایا۔۔ کیوں نہیں! پہلے بھی سب کو سُنا کر ایک کو خوش کرنا مقصود تھا اب بھی اسی مالک الملک خالقِ کُل کو خوش کروں گا۔

وہ شخص خوشی خوشی بیٹھ گیا تو شاہ صاحب نے اپنی طویل تقریر اس کے آگے من و عن دُہرا دی، پھر نہ پوچھئے کہ خوشی سے اس کا کیا حال ہوا۔

ایک غریب کا دل رکھنا اور اس حسنِ اخلاق سے بڑی بات ہے۔۔۔۔۔۔ بہت بڑی بات!

دولت

ایک بے چارہ اللہ کا بندہ تھا جس کا کوئی بچہ نہ تھا۔ صبح و شام وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ مولا ــــــ ایک بیٹا عطا فرما! مگر اس کی دُعا قبول نہ ہوتی تھی۔ ایک دن بہت دل بھر آیا تو خوب رو دھو کے دعا مانگی اور کہا کہ ـــــ اے رب العزت! اگر تو نے مجھے ایک بیٹا عطا فرمایا تو اپنے جسم کے کپڑوں کے علاوہ اور جو کچھ میرے پاس ہے تیری راہ میں لٹا دوں گا۔

اللہ تعالےٰ نے اس شخص کی دُعا قبول کر لی اور اسے ایک بیٹا عطا فرمایا۔ کچھ نہ پوچھئے کہ خوشی سے اس کا کیا حال ہوا۔

جب آدمی کو خوشی ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا مکّے میں آپ فاتحانہ داخل ہوئے تو کجاوے پر آپ کی پیشانی ٹکی ہوئی تھی اور زبان پر شکر و ثنا کے الفاظ تھے۔ چنانچہ اُس اللہ کے نیک بندے نے بھی شکر ادا کیا اور جسم کے کپڑوں کے سوا جو کچھ پاس تھا اِس خوشی میں اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ جیسے جیسے دن گذرتے گئے بچہ بڑا ہوتا گیا۔ اور وہ خوشی سے نہال رہنے لگا۔

اُس اللہ کے نیک بندے کا ایک دوست تھا۔ اچھے بُرے کا ساتھی۔ اُسے اپنے

لاولد دوست کے گھر لڑکا پیدا ہونے کی خوشی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ بھی دن رات اپنے دوست کی خوشی میں شریک رہتا۔ کچھ دنوں بعد اُسے ایک کام سے سفر پر جانا پڑا۔ کام کچھ ایسا تھا کہ وہ برسوں باہر رہا۔ جب لوٹا تو سب سے پہلے اپنے دوست سے ملنے گیا۔ سوچتا تھا کہ ـــ میرا دوست تو بہت خوش ہوگا۔ لیکن جب اپنے دوست کے محلّے میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ تو جیل میں پڑا ہے، اُسے بڑی حیرت ہوئی کہ ایسا نیک آدمی جیل کیسے گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لوگوں سے پوچھا ـــ کیا بات ہوئی؟ انہوں نے کہا ـــ تمہیں معلوم ہے اس کا ایک لڑکا تھا؟ اس نے کہا ـــ ہاں! لوگوں نے کہا ـــ اُس بدبخت کی وجہ سے تمہارے دوست کو یہ دن دیکھنا پڑا۔ دوست نے پوچھا ـ کیوں؟ لوگوں نے کہا۔ بڑا ہوکر وہ تو بڑا بدمعاش نکلا ـ یہ سنکر مسافر دوست کے منہ پر تالا لگ گیا۔ اس نے سوچا کہ ـــ اولاد کے لئے میرا دوست دن رات دُعائیں مانگتا تھا۔ اگر ایسا لڑکا اُس کی قسمت میں لکھا تھا تو اچھا ہوتا کہ وہ لاولد رہتا۔ بچوں کی کیفیت پودوں جیسی ہوتی ہے۔ جیسے مالی دن رات اُن کی دیکھ بھال کرتا اور ان کی تراش خراش میں لگا رہتا ہے اسی طرح ماں باپ کو بھی بچّے کو اپنی نظروں میں رکھنا چاہیئے۔ برا ہو اولاد کی آنچ کا جو تربیت سے روک دے۔ تربیت سے بڑی نیکی کوئی اور نہیں۔ اولاد کو یہ نہ ملی تو کچھ نہ ملا۔ بیجا سختی اور ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار دونوں صورتیں بُری ہوتی ہیں۔ اِن سے بچنا چاہیئے۔

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا ـــ اولاد کی تربیت کس طرح کرنی چاہیئے؟ انہوں نے کہا کہ اولاد کی سب سے بڑی نگہبانی یہ ہے کہ اُس میں اچھے برُے کی تمیز پیدا کی جائے بچّہ جونہی بولنا شروع کردے دھیان رکھو کہ گالی اور بُری بات منہ سے نہ نکالے۔ بچّے میں بُرائی کا پہلا چسکا گالی سے پڑتا ہے یا جھوٹ سے۔ اسے سختی سے روکیے۔ اُسے

ابتدا ہی سے ایسی باتیں سکھلائیے جو تہذیب اور شائستگی کی ہوں۔ السلام علیکم۔ بسم اللہ الحمد للہ۔ پہلا کلمہ بچے کو چھوٹی سی عمر ہی سے سکھا دینا چاہیئے۔ پھر اسے کلام اللہ کی چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرانی چاہیئیں۔ دس برس کی عمر ہو تو ہرایرے غیرے کے پاس بیٹھنے اور ملنے سے روکئے اور اسے نماز کا پابند بنایئے۔ بچہ پڑھنے بیٹھے تو پہلے نرمی سے پڑھایئے۔ جب کچھ چل نکلے تو سختی سے بھی نہ گھبرایئے جہاں تک ہو سکے بچہ کو سادگی کا عادی بنایئے۔ بچے دیکھ کے بہت کچھ سیکھتے ہیں اس لئے انہیں صرف ایسی جگہ لایئے لے جایئے جہاں سے وہ شائستگی اور شرافت کی باتیں سیکھیں۔ بچوں کی تربیت کا بڑا راز یہ ہے کہ والدین کو خود اپنی بھی تربیت کرنی پڑتی ہے انہیں بزرگوں اور استادوں کا ادب سکھانا بہت ضروری ہے، بے ادب بے نصیب اور باادب بانصیب ہوتا ہے۔ انہیں خوب اچھی طرح بتایئے کہ ماں باپ اور استاد خفا ہوں تو یہ خفگی ہمیشہ انکی بھلائی کے لئے ہوتی ہے۔ بچوں کے کھانے پینے کی سب ضرورتیں خود پوری کیجئے۔ چھوٹی عمر میں روپیہ پیسہ اُن کے ہاتھوں میں نہ دیجئے۔ اِس سے بہت سی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

دُنیا کی ہر دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے، ہاں، علم کی دولت وہ دولت ہے جو نہ کم ہوتی ہے نہ چوری ہوتی ہے۔ اِس لئے اولاد کے واسطے مکان۔ زمین دولت اور موٹریں نہ چھوڑیئے، بلکہ عِلم و ہُنر کی دولت چھوڑیئے۔

کھوٹا سکّہ

کھوٹا سکہ ہاتھوں میں تھما کر ایک شخص چلا گیا۔ لینے والے نے وہ سکہ سنبھال کے رکھ لیا۔ اگر اس سے پوچھا جاتا کہ جناب آپ کو کچھ کھوٹے کھرے کی پہچان ہے؟ تو جواب ملتا کہ نہایت اچھی پہچان ہے۔

تعجب کی بات یہی تھی کہ پہچان کے باوجود وہ کھوٹا سکہ قبول کر لیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسے اللہ کے نیک بندے کا واقعہ ہے، جن کا نام تھا ابو عبداللہ! شام کے علاقے میں شاید وہ کہیں رہتے تھے۔ کپڑے سیتے اور اپنی روزی کماتے۔ بہت سے لوگ ان کے پاس کپڑے سلانے آتے ان ہی میں سے ایک مجوسی بھی تھا۔ بڑا کایاں، بڑا چلتا پرزہ۔ لوگوں کو دھوکا دینا۔ لوٹنا اسکی عادت تھی۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں جو روپیہ کمانے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقے کو اپنا لیتے ہیں۔ جب کسی کو دھوکا دیتے ہیں تو دل ہی دل میں خوش ہوتے ہیں کہ خوب اُلو بنایا۔ یہ لوگ عیب دار مال لیپ پوت کے بیچیں گے اور بہتر سے بہتر مال کے دام لیں گے۔ کوئی پوچھے یہ کیا بے ایمانی ہے تو بولیں گے — جناب یہ تو کاروبار ہے۔ کاروبار میں سب روا ہے۔ مذہبی نقطۂ نظر سے ہی نہیں بلکہ یہ حرکتیں تو

عام اخلاقی اصولوں سے بھی گری ہوئی ہیں۔ ہم نے ترقی یافتہ قوموں سے اُن کی فیشن پرستی اور عیش کوشیاں تو سیکھ لیں لیکن اُن کے اصول اُن کے اخلاق ان کی امانت و دیانت کا ذرا اثر قبول نہ کیا۔ ان کے اثر ہی کا کیا رونا۔ اسلامی اصولوں کو بھی ہم نے چھوڑ دیا۔ اسلام کا مطلب ہمارے خیال میں صرف مسلمانوں کا سا نام رکھنا ہے۔ نہ اخلاق وہ نہ اللہ کا ڈر ویسا نہ علم کی لگن نہ محنت کا سلیقہ خوب غور کر کے دیکھئے تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ بس لوٹ مار پر زندگی کا دار و مدار ہے۔

دودھ والا مرچ مصالحے والے کو دھوکا دیتا ہے وہ دوا بیچنے والے کو چکمہ دیتا ہے۔ دوائیں بنانے والا قصاب کو دھوکا دیتا ہے، قصاب درزی کو، درزی ملازم سرکار کو ملازم سرکار اہل غرض کو، دھوکے اور فریب کا ایک سلسلہ ہے کہ مسلسل اور مستقل ہے نہ دودھ والا پانی ملا کر شرمندہ نہ آٹے والا بھوسی ٹکڑے ملا کر محجوب نہ دوائیں بیچنے والا ملاوٹ کر کے پریشان نہ رشوت لینے والے کو ذرا دنیا کی پروا سب اپنا اپنا معیارِ زندگی بلند کر رہے ہیں۔ نادان سمجھتے ہیں اُجلے کپڑے پہن لینا معیارِ زندگی بلند کرنا ہے چاہے معیارِ اخلاق جہنم ہی میں لے جائے۔ کوئی قوم دنیا میں اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس کا اخلاقی معیار بہتر نہ ہو۔ معیارِ اخلاق بہتر ہوگا تو معاشی خوش حالی بھی ہوگی اور سماج سدھار بھی ورنہ جس قوم کے افراد چھوٹے بڑے ایک دوسرے کو لوٹتے ہوں وہ قوم دو ٹکڑے تو ہو سکتی ہے گروہوں میں تو بٹ سکتی ہے مگر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ دنیا کی قوموں میں ممتاز نہیں ہو سکتی امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے عبداللہ درزی سلائی کے بدلے میں کھوٹے سکے لیتے اور رکھ لیتے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ وہ دکان پر نہیں تھے۔ ان کا ملازم بیٹھا تھا۔ وہ مجوسی آیا اس نے اپنے کپڑے لیکر کھوٹا سکہ دیا۔ ملازم نے کہا۔ اسے واپس لے لو یہ کھوٹا ہے۔ اس دھوکے باز نے دیکھا کہ وہ پکڑا گیا تو سکہ

بدل دیا۔ تھوڑی دیر میں ابو عبداللہ اپنی دکان پر لوٹ آئے، ملازم نے کہا وہ یہودی آیا تھا اپنے کپڑے لے گیا حضرت ابو عبداللہ نے روپوں کی تھیلی الٹ کر دیکھی اس میں کوئی کھوٹا سکہ نہ تھا۔ ملازم سے پوچھا۔ اس یہودی نے رسلائی نہیں دی ؟ ملازم نے کہا۔ دی۔ بڑا کایاں ہے وہ کھوٹا سکہ دیتا تھا میں نے اسے واپس کر دیا۔ حضرت عبداللہ بولے کاش تو کھوٹا سکہ لے لیتا ! ملازم کو بڑی حیرت ہوئی۔ بولا۔ آپ کیا فرماتے ہیں ؟ انھوں نے کہا۔ ہاں بیٹا میں درست کہتا ہوں۔ برسوں سے میں اس سے کھوٹا سکہ لیتا آیا ہوں، میں نے کبھی اس سے شکایت نہیں کی۔ تم بھی کھوٹا سکہ لے لیتے ملازم نے حیرت سے پوچھا ——— کھوٹا سکہ لے لیتا ! بھلا کیوں ؟

ابو عبداللہ نے کہا ——— اس لئے کہ اب وہ کھوٹا سکہ کسی اور مسلمان کو دینے کی کوشش کریگا۔ میں چپ چاپ اس سے اُجرت لے کر اندھے کنوئیں میں پھینکدیا کرتا تھا کہ دھوکا دہی کا یہ سلسلہ ختم ہو۔

اللہ کے رسول ؐ کا ارشاد ہے کہ ——— مسلمان اگر مسلمان کا خیر خواہ نہ ہو تو صاحبِ ایمان نہیں۔

گواہی

بازار میں ایک جگہ اُس وقت دو ہی آدمی کھڑے تھے ایک خریدار ایک بیچنے والا۔
ایک گھوڑا بکاؤ تھا۔ مالک نے دکھایا اور خریدنے والے نے خوب دیکھ بھال کے
گھوڑا پسند کر لیا۔ سودا طے ہو گیا، تو خریدار نے فرمایا۔ تم گھوڑا لے کر میرے ساتھ
چلو تاکہ میں تمہیں گھر پہنچ کر اس کی قیمت دے دوں!
خریدار جس گھوڑے پر بیٹھ کر آیا تھا اُس پر سوار ہو آگے نکل گیا اور مالک سودا کئے
ہوئے گھوڑے پر بیٹھ کر پیچھے پیچھے چلا۔ راستے میں اُسے کئی لوگوں نے روک
کر پوچھا۔ گھوڑا فروخت کرو گے۔ گھوڑا بڑا خوب صورت تھا۔ لوگوں کی
نظروں میں کھبا جاتا تھا اس لئے لوگ بار بار گھوڑے کے سوداگر سے پوچھتے
تھے، بیچو گے اپنا گھوڑا؟ اُس نے اگرچہ کہ اپنے گھوڑے کا سودا کر دیا تھا مگر
ہر بار وہ ہاں کر دیتا اصل میں حرص اُس پر غالب آجاتی۔
جس نے سودا کر لیا تھا اور بات پکی کر دی تھی، وہ آرام سے آگے آگے چلا جا
رہا تھا سوداگر پیچھے کیا تماشا کرتا چلا آرہا تھا۔ اس کی کوئی خبر آگے جانے والے
کو نہ تھی۔ جو قیمت طے پا چکی تھی وہ اتنی اچھی تھی کہ راستے میں کہیں سوداگر کو
یہ دام نہیں مل رہے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک شخص نے راستہ روک کر اُس
گھوڑے کا سودا کیا۔ اِس مرتبہ اُس سے زیادہ دام لگے جتنے پر سودا ہو چکا تھا۔

اب کیا تھا۔ اُس سوداگر نے وہیں سے آگے جانے والے خریدار کو چلا چلا کر مخاطب کیا اور بولا ——— میں تو یہ گھوڑا یہیں بیچ رہا ہوں۔ اگر تمہیں لینا ہے تو دام نکالو اور اتنے ورنہ میں گھوڑا اس شخص کے ہاتھوں بیچتا ہوں۔ وہ خریدار جس نے سودا کیا تھا پلٹا قریب آیا اور بولا ——— یہ تم کیا کہتے ہو؟ گھوڑا تو تم مجھے بیچ چکے ہو سوداگر نے جواب دیا —— نہیں میں نے تمہیں گھوڑا نہیں بیچا۔ اگر بیچا ہو تو کوئی گواہ لاؤ۔ گھوڑا تو میں اِس شخص کو بیچ رہا ہوں جس سے ابھی میں نے دام طے کیے ہیں۔

عجیب صورتحال تھی، خریدار کو بڑا افسوس ہوا۔ یہ شخص دیدہ دلیری سے جھوٹ بول رہا تھا۔

جھوٹ بڑا گناہ ہے، سورۃ آلِ عمران میں ہے "لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ"، کہ جھوٹے پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ سورۃ بقر میں ہے "وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ"، یعنی جھوٹ بولنے والوں کو بڑی دردناک سزا ملے گی، سورۃ حج میں حکم ہے کہ ——— جھوٹ بولنے والے سے بچو، یہ حکم قطعی ہے۔ سورۃ شعرا میں ہے جھوٹے اور بدکردار لوگ شیطان کے چیلے ہیں۔ سورۃ زمر میں ارشادِ ربانی کا مطلب ہے ——— قیامت کے دن جھوٹوں کے منہ کالے ہوں گے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث کا مطلب ہے، کسی آدمی کے جھوٹے ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ سُنی سنائی بات دوسروں کو سُناتا پھرے۔

جھوٹا آدمی بے غیرت ہوتا ہے اور بڑا خود غرض اور شیخی خورہ ورنہ اُسے جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

جھوٹے سوداگر نے راستے پر تکرار شروع کردی، کئی لوگ جمع ہوگئے تھے۔ سوداگر بار بار یہی کہے جا رہا تھا کہ ——— گواہ لائیے، جمع ہونیوالے سارے مسلمان تھے۔ ہر ایک نے

سوداگر سے کہا — تم جھوٹ بول رہے ہو۔ جس نے گھوڑا خریدا ہے یہ وہ ذات نہیں
جس کی زبان سے کبھی ایک حرف بھی غلط نکلا ہو! مگر سوداگر اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔
اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ وہاں آئے۔ سوداگر کی بات سنتے ہی بولے
— میں گواہی دیتا ہوں تم نے گھوڑا بیچا ہے۔ لوگوں نے کہا — لو! اللہ تعالیٰ
نے گواہی بھیجدی! — اب سوداگر تو چپ ہو گیا۔ مگر خریدار جانتا تھا کہ سودے
کے وقت تیسرا آدمی کوئی نہ تھا۔ اس لیے خزیمہ سے سوال ہوا — تم کیسے گواہی دے
رہے ہو؟ جواب ملا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کی نبوت کی گواہی دے چکا ہوں جب
آپؐ کی ہر بات کی ہم تصدیق کرتے ہیں تو یہ سودا کوئی چیز ہے! آپ کی زبانِ مبارک
سے کبھی کوئی غلط لفظ نکلے گا؟ ناممکن! میرا ایمان ہے کہ یہ سودا ہوا ہے! اس لئے
میں یہ گواہی دے رہا ہوں کہ آپؐ سچے ہیں۔

سُنن ابوداؤد میں ہے کہ خزیمہ کے اس جذبۂ اخلاص کے صلے میں ارشاد ہوا —
خزیمہ کی گواہی دو ۲ آدمیوں کے برابر ہے! یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو بارگاہِ نبوتؐ سے
انھیں عطا ہوا۔

جوابِ جاھلاں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے انکا راستہ کاٹا بولا ــــــ ابنِ مریمؑ! ذرا میری ایک بات سننا۔ حضرت عیسیٰ راہِ حق کے بتانے والے جلیل القدر پیغمبرؑ اس کی آواز سنکر اپنی جگہ ٹھہر گئے۔ اس نے راستہ روک کر اُن سے بات شروع کی۔ بات کیا ان کی کاٹ شروع کی۔ خواہ مخواہ اُلجھ پڑا۔ اُلٹی سیدھی ہانکتا اور حضرت عیسیٰؑ کو بُرا بھلا کہتا رہا۔ وہ کوئی بات سمجھاتے تو کٹ حجتی پر اُتر آتا۔ کوئی بات مان کر ہی نہ دیتا ہٹی، ضدی، چت بھی اپنی پٹ بھی اپنی کرنا چاہتا تھا۔ یہ بے عقلی کی بات تھی ــــــ حماقت کی بات! ــــــ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندوں کو سدھارنے پر مامور تھے۔ وہ بہت کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح کوئی بات اس شخص کی سمجھ میں آجائے مگر وہ تو نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا کہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ لہجہ اس کا تلخ آواز اس کی تیز ادبر بر ہمی اُس کی اس درجہ تھی کہ جس نے دیکھا اسے افسوس ہوا۔ راستے کی بات تھی۔ خاصے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ سب حضرت عیسیٰؑ اور اس کی باتیں سُنتے رہے لوگوں نے دیکھا وہ سختی کرتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نرمی برتتے۔ وہ بُرا بھلا کہتا آپؑ جواب نہ دیتے بلکہ کہتے ــــــ تم تو بڑے شریف بڑے مہذب آدمی ہو کوئی حرج

نہیں اگر غصّہ آتا ہے غصّے کو تھوک دو! اور سکون سے میری اچھی باتیں سنو، اگر وہ اللہ کا دشمن برابر حضرت عیسیٰؑ کی ہتک کرتا رہا۔

کم ظرف گالی گلوچ اور بدتمیزی کو اپنا سب سے بڑا حربہ سمجھتے ہیں۔ شریف اور اچھے لوگ گالی نہیں دے سکتے لڑ نہیں سکتے۔ انھیں اپنی عزت کا خیال رہتا ہے۔ کم ظرف اس بات سے اور خیرہ ہو جاتے ہیں۔ بزرگوں کی بے عزتی کرتے ہیں، کبھی انھیں نار وا خط لکھتے ہیں کبھی فون پر گالیاں دیتے ہیں۔ کبھی راستے میں الجھ پڑتے ہیں۔ وہ طرح دے جاتے ہیں۔ جس کا جتنا ظرف ہوتا ہے وہ اتنا ہی خاموش رہتا ہے۔ کم ظرف خاموشی کو کمزوری سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ گالیاں دینا اور جھگڑے پر اتر آنا کمزوری اور احساس کمتری کی نشانی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے، ایسے آدمیوں کے بارے میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ انھیں سکون اور چین سے محروم کر دیتا ہے۔ وہ ہر وقت غصّے کی آگ میں جلتے بھنتے رہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب اس راہ چلتے نے تکرار اور بدکلامی کی انتہا کر دی تو ایک شخص نے ان سے کہا ـــــ حضرت! آپ بھی اس سے کیوں نہیں الجھتے، اسے ڈانٹتے برا بھلا کہتے۔ حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ ـــــ اے عزیز! یہ تو اپنے اپنے رکھ رکھاؤ کی بات ہے۔ وہ اپنی حیثیت کا کام کرتا ہے، میں اپنی حیثیت کا، میں اس سے برائی نہیں سیکھ سکتا، ممکن ہے وہ مجھ سے ادب، تمیز اور اچھائی کی کوئی بات سیکھ لے۔ اُس کی بدزبانی کا علاج میری بدزبانی نہیں ہو سکتی۔

احسان کا بدلہ

چھ سات نوجوان ہتھیار باندھے حلقہ بنائے مستعد کھڑے تھے اور شفیع الاُمم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حفاظت میں کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ حضورِ اکرم طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود کے پاس رُکے اُسے بوسہ دیا، پھر آپؐ نے حرمِ کعبہ میں دُو رکعت نماز ادا فرمائی اور گھر لوٹ گئے۔

حرمِ کعبہ میں اس وقت نہ جانے کون کون موجود تھے، لیکن دو آدمیوں کا ذکر خاص طور پر آیا ہے۔ ایک حضرت ابو سفیان کا دوسرے ابو جہل کا۔ یہ دونوں اس وقت اسلام کے دشمن تھے۔ اور سخت دشمن! فتحِ مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سفیانؓ کا دل پھیر دیا۔ اور انہیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ اللہ نے دن پھیرے تو وہ شیخِ قریش کہلائے۔

یہ چھ سات نوجوان آپس میں بھائی تھے۔ جان کی بازی لگا کر اپنے باپ کے حکم پر وہ اللہ کے رسولؐ کی حفاظت کر رہے تھے۔ حالانکہ اُن میں سے کوئی بھی صاحبِ ایمان نہ تھا۔ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ بیٹوں کے ساتھ باپ بھی حرمِ کعبہ میں موجود تھا۔ چنانچہ وہ اپنی سواری سے گروہِ قریش کو چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا۔ انھوں نے خاموشی سے سُنا تو معلوم ہوا وہ اعلان کر رہا تھا کہ — میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی، خبردار! تم میں سے کوئی اُن پر حملہ نہ کرے!

اس اعلان کے جواب میں طبری نے لکھا ہے کہ — ابوجہل نے دوسری روایتوں میں ہے حضرت ابوسفیان نے پوچھا۔ تم پناہ دینے والے ہو، یا ان کی پیروی کر لی ہے ؟

جواب ملا — میں صرف پناہ دینے والا ہوں !!

کہا گیا — تمہاری پناہ کو توڑا نہیں جا سکتا۔ جسے تم نے پناہ دی وہ گویا ہماری پناہ میں ہے !

اللہ کی قدرت کہ جب وہ چاہتا ہے دشمنوں سے وہ کام کرا دیتا ہے جو دوستوں سے بھی ممکن نہیں۔

نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف کے سفر سے لوٹتے ہیں تو سخت پریشان تھے۔ اتنے پریشان آپؐ بہت کم ہوئے تھے۔ شعب بنی ہاشم سے اسی زمانے میں رہائی ہوئی تھی اور اسی زمانہ میں — حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔ ان کی ذات سے آپؐ کو بڑی تقویت تھی۔ مکے سے آپؐ پریشان حال نکلے تھے کہ شاید طائف میں پناہ ملے۔ واقدی کے حوالے سے ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ بنو ثقیف کے بڑے لوگوں میں سے آپؐ ایک ایک کے پاس گئے مگر کسی نے آپؐ کی تبلیغ پر کان نہ دھرا۔ عبدیالیل۔ مسعود اور حبیب نے جو طائف کے سردار تھے آپ کے ساتھ بڑی دشمنی اور عداوت کا مظاہرہ کیا، حالانکہ ایک مہینے تک آپؐ انہیں سمجھاتے رہے۔

آپؐ جب طائف سے لوٹے تو سوال یہ تھا کہ آپؐ مکے میں کیسے داخل ہونگے کہ قریش آپؐ کی جان کے دشمن تھے۔

جبلِ نور تک پہنچنے کے بعد جو مکے سے تین میل کے فاصلے پر ہے آپؐ رک گئے اور مکے کے سربرآوردہ لوگوں میں سے آپؐ نے اخنس بن شریق اور سہیل بن عمرو

کے پاس پیام بھجوایا کہ آپؐ کو پناہ دی جائے۔ انھوں نے صاف انکار کردیا۔ آپؐ نے بہت سوچ کر مطعم بن عدی کو کہلوایا۔ انھوں نے نہ صرف حامی بھری بلکہ رات اپنے پاس آنحضرتؐ کو ٹھہرایا اور صبح اپنے ساتھ لے کر حرم کعبہ چلے۔

حرم کعبہ میں جو چھ سات نوجوان ہتھیار سجائے طواف کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کررہے تھے وہ مطعم بن عدی ہی کے بیٹے تھے۔

وقت گذر جاتا ہے لیکن احسان یاد رہتا ہے۔ حضورِ اکرم نے مطعم کے احسان کو ہمیشہ یاد رکھا۔

مطعم اور ان کی اولاد آڑے وقت میں حضورِ اکرم کے بہت کام آئی۔ چنانچہ جب آپ کا کنبہ شعب بن ہاشم میں بند تھا اور دنیا نے بنو ہاشم کا بائیکاٹ کر رکھا تھا تو یہ لوگ چپکے چپکے غلے سے لدے اونٹ اس گھاٹی میں ہانک دیتے تھے، دل ان کے حضورِ اکرمؐ کے ساتھ تھے لیکن دُنیا کا ڈر انھیں روکے ہوئے تھا۔ مطعم کے بیٹوں میں جبیر جو بعد میں ایمان لے آئے حضورِ اکرمؐ صلی اللہ وسلم کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ جبیر بھی اپنے باپ کی طرح بڑے نرم مزاج اور سمجھدار انسان تھے جب بدر کی لڑائی میں مشرکینِ مکہ گرفتار ہو کر آئے تو کچھ بات چیت کے لئے یہ بھی حاضرِ خدمت ہوئے اس موقع پر اللہ کے رسولؐ نے ان کے والد کے احسانات کی یاد تازہ کی۔

استیعاب کی روایت ہے کہ آپؐ نے جبیر سے فرمایا کہ — اگر تمہارے باپ آج زندہ ہوتے اور مبلانِ بدر کے ان گرفتاروں کی سفارش کرتے تو میں انہیں فوراً چھوڑ دیتا۔ حالانکہ دُنیا جانتی ہے کہ بدر کے یہ قیدی مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔

نیک اولاد

اُنیس درم ایک ایک لڑکے میں تقسیم ہوئے۔ ان لڑکوں کے باپ کا انتقال ہوا تھا اور جائداد کا بٹوارہ ہو رہا تھا، مرنے والے نے اپنے پیچھے کل اکیس دینار چھوڑے تھے اس میں سے دو دینار قبر کی زمین خریدنے کے لئے ادا کئے گئے، پانچ دینار کفن اور دوسری چیزوں پر لگے باقی رہے چودہ دینار ان کے درم بنائے گئے اور وارثوں میں تقسیم کئے گئے، یہ جس اللہ کے بندے نے وفات پائی تھی وہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا تاریخِ اسلام کے عظیم ترین حکمرانوں میں اس کا شمار ہے۔

حضرت سُفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ ــــــ خلفائے راشدین چار نہیں پانچ تھے پانچویں خلیفۂ راشد بھی اللہ کے نیک بندے تھے۔ اتنی بڑی سلطنت کے وہ مالک تھے کہ ان کی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا اور حال یہ تھا کہ ایک سے دوسرا جوڑا کپڑوں کا پاس نہ تھا بیت المال کو وہ امانت سمجھتے تھے اور عوامی خزانے کو اپنی یا اپنے اہل وعیال کی ذات پر بالکل خرچ نہ کرتے تھے۔

ان ہی کے ایک بھائی تھے ــــــ چچازاد بھائی۔ ہشام بن عبدالملکؒ! وہ بھی اسی سلطنت کے حکمراں رہے مگر ان کی بڑی شان تھی اور بڑا جاہ وجلال تھا آخر کو موت انھیں بھی آئی۔ موت سب کو آتی ہے ــــــ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ

ذُو الجَلَالِ وَالإِکرَام باقی رہنے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، ہشام کا انتقال ہوا تو اس کی اولاد میں ترکہ تقسیم ہوا۔ ایک ایک لڑکے کے حصّے میں دس دس لاکھ درہم آئے۔ دونوں آگے پیچھے حکمراں رہے، دونوں ایک ہی سلطنت کے مالک رہے لیکن دونوں میں بڑا فرق تھا، ایک اللہ سے ڈرنے والا اور دوسرا غافل!

مسلمہ بن عبدالملکؒ کہتے ہیں، جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری وقت قریب آپہنچا تو میں نے ان سے کہا کہ ـــــ امیرالمومنینؓ! آپ نے اپنی اولاد کا منہ ہمیشہ خشک رکھا۔ آپ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ کاش مجھے یا اپنے خاندان والوں کو آپ ان کے بارے میں کچھ وصیّت کر جائیں۔ فرمایا ـــــ مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو! جب بٹھا دیا گیا تو فرمایا ـــــ یہ کہنا کہ میں نے ان کے منہ کو خشک رکھا غلط ہے اللہ کی قسم میں نے ان کا حق کبھی تلف نہیں کیا اور جس چیز میں ان کا حق نہ تھا وہ انہیں کبھی نہیں دی، میں کسی کو وصیّت کیوں کروں، ان کے معاملے کو میں نے اللہ پر چھوڑ دیا ہے، میری اولاد اگر اللہ سے ڈرے گی تو وہ ان کے لئے کوئی صورت نکال دے گا، اگر وہ برے بننے والے ہیں تو میں دولت چھوڑ کر انھیں اور خراب ہونے کے اسباب مہیا نہ کروں گا، مسلمہ بن عبدالملکؒ کو یہ جواب دیکر انھوں نے اپنے لڑکوں کو بلایا انھیں دیکھ کر آنکھوں میں آنسو امڈ آئے انھیں پاس بٹھایا اور ان سے فرمایا ـــــ

تم پر میری جان قربان! تمہارے لئے میں نے دولت نہیں چھوڑی، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں نے تمھاری بہترین تربیت کی ہے اور تمہیں صراطِ مستقیم پر چھوڑا ہے، لڑکو! تمہارے باپ کو دو باتوں کا اختیار تھا ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور گمراہیوں میں مبتلا ہو کر دوزخ میں جاؤ، دوسرے یہ کہ تمہارے پاس دولت نہ ہو لیکن دولتِ ایمان سے تم مالا مال رہو اور صراطِ مستقیم پر چلتے رہو۔ میں نے تمہیں آگ سے بچایا ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو! اللہ تمہارا مددگار و محافظ ہے۔

بیوی فاطمہ کہتی ہیں آخری وقت زبان پر کلامِ الٰہی کی آیات تھیں جنکا مطلب ہے
—— یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں نہ
فساد کرتے ہیں۔ اور عافیت صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

ماں باپ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کریں۔ اگر تربیت نہیں تو کچھ بھی نہیں
دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ ہشام کے لڑکے جنہیں ترکے میں لاکھوں ملے تھے ایک وقت
ان پر ایسا آیا کہ دو لقموں کو محتاج ہو گئے تھے حال یہ ہو گیا تھا کہ لوگ صدقہ دے جاتے تو حلق
بھیگتی اور عمر بن عبدالعزیز کے لڑکے جنہیں ترکے میں اُنیس اُنیس درم ملے تھے اس درجے کو
پہنچے کہ جہاد کا موقع ہوتا تو ملت کو ایک ایک سو گھوڑوں کا ہدیہ دیتے۔

سانپ کی مالا

ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں پیسے والا آدمی ہوں ۔میری بیوی بچے بھی ہیں اور ماں باپ بھی ۔میرے باپ کو میرے روپے کی ضرورت ہے میں کیا کروں ؟
سُنن ابُو داوٗد میں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ـــ تُو اور تیرا مال تیرے باپ ہی کا ہے
پھر ارشاد فرمایا کہ اولاد پاکیزہ ترین کمائی میں سے ہے ۔لہٰذا تم ان کی کمائی کھا سکتے ہو۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بچے بڑے ہو جائیں اور ماں باپ بوڑھے تو بوڑھے ماں باپ کو سوسائٹی میں ناکارہ افراد کی حیثیت دیدی جائے ۔ان کے ساتھ اس طرح سلوک کیا جائے کہ وہ رحم و کرم پر پڑے رہیں اسلام اس کی سخت مناہی کرتا ہے ۔ہمیں بتاتا ہے کہ بوڑھے ماں باپ بھی معاشرے کا اہم حصّہ ہیں ۔ان کی ضروریات پوری کرنا نیک اولاد کا فریضہ ہے ،جس طرح اولاد یہ سمجھتی ہے کہ اپنی اولاد کو پالنا پوسنا اس کے لئے ضروری ہے چاہے پیسہ پاس ہو یا نہ ہو ٹھیک اسی طرح ماں باپ کی خبر گیری اور خدمت بھی ضروری ہے ۔

ممکن ہے بعض ترقی یافتہ ملکوں میں رہن سہن کا رنگ ڈھنگ ایسا ہو کہ بوڑھے

ماں باپ کو جوان اولاد بوجھ سمجھنے لگے لیکن یہ بات عام اخلاقی اصولوں سے بھی گری ہوئی ہے۔ جو مدد کے محتاج ہوں اور بڑھاپے کی وجہ سے جن کی خبر گیری کی ضرورت ہو انہیں صرف اپنے آرام کی خاطر گھر سے الگ کر دیا جائے یہ سنگدلی ہے جسے اسلامی معاشرہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔

اسلام تو غیروں کو اپنا بنا لینے کا حکم دیتا ہے۔ ماں باپ تو پھر ماں باپ ہیں۔ ان کے حقوق تو ایسے ہیں کہ اولاد اگر اپنی کھال کی جوتیاں بنا کر انہیں پہنائے تو حق خدمت ادا نہ ہو۔

جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیسہ دیا ہے ان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ ذمہ داریاں بھی ڈالی ہیں یہ ذمہ داریاں مال کے تعلق سے ہیں۔ حکم ہے جہاں تم اپنی ذات پر اپنی کمائی خرچ کرتے ہو وہاں اللہ کے حکم سے تمہیں اپنی کمائی دوسروں پر بھی خرچ کرنا ہو گی۔ دوسروں میں اجنبی یا غیر لوگ بھی شامل ہیں۔ عزیز و رشتہ دار بھی۔ اگر ایک اجنبی اور ایک عزیز دونوں محتاج ہوں تو حکم ہے کہ پہلے اپنے عزیز کے ساتھ سلوک کرو!

سورۂ نحل میں ارشادِ ربانی ہے کہ ۔۔۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی ۔۔ یعنی ایمان والو! اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے، احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور رشتہ داروں سے مالی سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں حکم ہے کہ ۔۔۔ رشتہ دار اور غریبوں اور مسافروں کو اُن کا حق پہنچاتے رہو۔ خبردار اپنی دولت کو بے جا مت اڑاؤ!

ایسے ہی احکام سورۂ نساء، سورۂ نور، سورۂ احزاب سورۂ بلد وغیرہ میں ہیں۔
شریعت نے واضح طور پہ صورتیں بتا دی ہیں کہ کب کیوں اور کس طرح رشتہ داروں

کی مدد کی جائے۔ ان میں کچھ تو ایسے ہیں کہ ہر حالت میں ان کی کفالت ضروری ہوتی ہے۔ جیسے بیوی بچے اور ماں باپ یہ ایک شرعی اور قانونی ذمہ داری ہے جسکا پورا ہونا ضروری ہے۔ پھر حسنِ سلوک کے احکامات ہیں۔ اگر خاندان میں کوئی غریب ہو تو خاندان کے اُس فرد پر جو امیر ہے یہ ایک طرح کی ذمہ داری ہے کہ اس غریب کی دیکھ بھال کرے۔ وہ لوگ جو اہلِ خاندان کا حق ادا نہیں کرتے انھیں بخیل قرار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ بخیلوں، روپیہ جوڑ جوڑ کر رکھنے والوں سے اپنی نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کی ہوئی ایک حدیث ہے جس کا مطلب ہے کہ ——— تین شخص جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ ایک دھوکا باز دوسرا بخیل، تیسرا صدقہ دیکر احسان جتانے والا۔ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ — کسی مالدار، رشتہ دار سے اگر کسی غریب رشتہ دار نے کچھ مانگا اور وہ باوجود دے سکنے کے کچھ نہ دے تو آخرت میں اسکا مال سانپ بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور وہ سانپ انکار کرنے والے کا منہ ڈستا رہے گا۔

سوچئے کہ — رشتہ داروں سے لاپرواہی پر اگر یہ سزا ہے تو پھر ماں باپ کے نافرمانوں پر کیا بیتے گی؟

عقیقہ

آواز آئی السلام علیکم یا ابا ابراہیم! کہ اے ابراہیم کے والد ماجد آپ کو سلام ـــــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا۔ سلام کرنے والے تھے حضرت جبرئیل ـــــــ یہ سلام حضرت ابراہیم کی پیدائش کے موقع پر کیا گیا تھا۔ ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ کے بطن سے حضور اکرم کے صاحبزادے تھے۔ ان کے بعد آپؐ کو پھر کوئی اولاد نہ ہوئی۔

صحیح مسلم میں حضرت انس کی روایت ہے کہ جس رات آنحضرت صلعم کو اپنے صاحبزادے کے تولد ہونے کی اطلاع ملی اسی رات آپؐ نے ان کا نام تجویز فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی نام رکھنا سنتِ نبوی ہے ـــــــ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جب پیدا ہوئے تو جیسے ہی حضور نے بچوں کو دیکھا ان کے نام تجویز فرمائے ـــــــ ساتویں دن بھی نام رکھا جا سکتا ہے اور دیر ہو جائے تو بھی کوئی ہرج نہیں۔ نام کیلئے حکم ہے کہ اچھے نام رکھے جائیں۔ نام کا اثر شخصیت پر ہوتا ہے۔ بعض لوگ بچوں کے نام بے معنی رکھتے ہیں جیسے ـــــــ بوبی۔ ککو۔ سمن۔ نونی۔ ببوا ـــــــ ایسے نام رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ناموں کو بگاڑ کے بلانے سے بھی روکا گیا ہے۔ جیسے نام جاوید ہو تو جوی اور انجم ہو تو انجو! ـ منع

اس لئے کیا گیا ہے کہ اس طرح نام بے معنی ہو جاتے ہیں۔ بعض نام جنکا لغوی مطلب برا ہو حضورِ اکرمؐ نے انھیں فوراً بدل دیا اور ایسے نام رکھے جن کا مطلب اچھا ہو۔ ایک صحابی تھے۔ ان کا نام حزن تھا۔ حضورؐ نے بدل کر سھل نام رکھا حضرت حسن کا نام حرب تجویز کیا گیا تھا۔ استیعاب میں ہے اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ——— نہیں بچے کا نام حسن ہوگا! اسد الغابہ میں ہے، حضرت حسین کا نام بھی حضرت علی نے حرب تجویز کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل دیا۔ حرب کا مفہوم اچھا نہیں ہے۔ حرب لڑائی اور مار دھاڑ کو کہتے ہیں! اس لئے یہ نام بدل دیا گیا۔ اگرچہ کہ اس زمانے میں یہ بڑا مقبول نام تھا۔ بچوں کے نام بزرگوں کے ناموں پر رکھے جا سکتے ہیں. بشرطیکہ وہ اچھے ہوں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا۔

ساتویں دن ابوہند البیاضی نے بچے کا سر مونڈا۔ سرورِ کونین نے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنیکا حکم دیا اور بال دفن کرا دیئے دو مینڈھے اس دن ذبح کئے گئے۔

بچے کی پیدائش کے فوراً بعد اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔ کوئی بھی یہ فریضہ انجام دے سکتا ہے لیکن باپ، نانا یا دادا یہ فریضہ ادا کریں تو بہتر ہے۔

عقیقہ کرنا سنت ہے۔ یعنی بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا اور جانور ذبح کرنا مستحب ہے۔ ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ لڑکے کیلئے دو اور لڑکی کیلئے ایک بکرا، دنبہ یا بکری ذبح کرنیکا حکم ہے۔ موطا میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ کی روایتیں ہیں کہ لڑکے کیلئے

ایک بکرا یا بکری بھی دے سکتے ہیں۔ عقیقے کے لئے قربانی کی گائے یا اونٹ میں بھی حصہ ملایا جا سکتا ہے۔ لڑکے کیلئے دو حصے اور لڑکی کے لئے ایک حصہ۔ جہاں تک ہو سکے عقیقہ ساتویں دن کرنا بہتر ہے ورنہ جب بھی عقیقہ کیا جائے تو ساتویں دن کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ یہی سنتِ نبوی ہے اگر بھول چوک ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بلا وجہ عقیقے کو ٹالنا مناسب نہیں اگر ہاتھ اس قدر تنگ ہو کہ جانور خریدا ہی نہیں جا سکتا ہو تو مجبوری ہے۔ عقیقہ کرنا باپ کی ذمہ داری ہے۔ عقیقے کے موقع پر جو جانور ذبح کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کا خون بچے کے مونڈے ہوئے سر پہ لگاتے ہیں۔ یہ جاہلیت کی رسم ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ جیسے ہی حجام بچے کے سر پر استرا چلائے بکرے کی گردن پر چھری پھیری جائے ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ کچھ ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں جو عقیقے کے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کی ہڈی توڑنا منحوس سمجھتے ہیں۔ بعض گھرانوں میں یہ بھی رسم ہے کہ ماں باپ اولاد کے عقیقے پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھاتے۔ یہ سب نری جاہلانہ باتیں ہیں۔ قربانی کے گوشت کی طرح عقیقے کے گوشت کے بھی تین حصے کرنیکا حکم ہے۔ ایک حصہ غربا کیلئے ایک حصہ رشتہ داروں کیلئے اور ایک حصہ گھر والوں کے لئے۔

سوال یہ ہے کہ ــــــ اگر کوئی عقیقہ نہ کر سکے تو کیا ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ ــــــ کچھ بھی نہیں کیونکہ یہ فرض نہیں ہے کہ نہ کرنے پر گناہ ہو! عقیقے کا موقع حج کی یاد دلاتا ہے۔ حج کے موقع پر قربانی بھی ہوتی ہے اور سر بھی مونڈا جاتا ہے گویا بچے کا عقیقہ اس بات کا اظہار ہے کہ ــــ اللہ تعالیٰ نومولود کو دینِ ابراہیم پر چلائے۔

ولی اللہ

ماں نے کہا۔۔۔ علم حاصل کرنا چھوڑ دو! بیٹے نے یہ حکم سُنا تو حیران ہوا!! علم تو بڑی نعمت ہے۔ اس کے حاصل کرنے سے تو کوئی نہیں روکتا اور پھر ماں باپ تو ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے۔ اب یہ اور بات ہے کہ بچے علم حاصل کرنے کے بجائے بے کار اور بے ضرورت کاموں میں پڑ جائیں۔ صرف مدرسہ کالج یا یونیورسٹی آنے جانے سے علم حاصل نہیں ہوتا، اس کے لئے ذوق اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب حضرت سُفیان ثوری کی والدہ نے اُن سے فرمایا کہ۔۔۔ بیٹے علم حاصل نہ کرو۔ تو صرف اتنی ہی بات اُنھوں نے نہیں فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ۔۔۔ بیٹے علم حاصل کرو تو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو ورنہ قیامت کے دن یہ تمہارا علم تمہارے لئے حساب کتاب کے دروازے کھول دے گا۔ حضورِ اکرم صلعم کے ایک ارشاد کا مطلب ہے کہ دو آدمیوں نے میری کمر توڑ دی ایک جاہل دیندار نے دوسرے بے عمل عالم نے!

علم اگر برتا نہ جائے تو پھر ایسے علم سے کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو علم عطا فرمایا تو انھوں نے علم کو برتا اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ علم اگر آدمی میں اچھے برے کی

تمیز اور عمل کی تحریک نہ پیدا کر سکے تو ایسا علم بے کار ہے۔

قرآن علم کا سرچشمہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ علم وحی کے ذریعے عطا ہوا تو آپؐ نے اس کے ایک ایک لفظ پر عمل کر کے دکھایا۔ اسی لئے قرآنِ حکیم نے کہا کہ ــــ آپؐ مومنوں کے لئے نمونہ ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ــــ کہ اگر تم کو مجھ سے محبت ہو (اور میرے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہتے ہو) تو میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرو۔

علم اور عمل میں اگر فرق ہو تو یہ ایک طرح کی منافقت ہے بلکہ کھلی منافقت! علم سکھاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ آدمی اللہ سے ڈرنے کے بجائے سرکش ہو جاتا ہے۔ سیدھی راہ چھوڑ اُلٹی راہ پر چلنے لگتا ہے تو ایسے علم سے کیا فائدہ؟ علم دھوکے اور ریاکاری سے روکتا ہے اور اگر کوئی پڑھ لکھ کر بھی دھوکے باز اور ریاکار ہو جائے تو کیا کہا جائے۔ ابو عبداللہ انطاکیؒ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ ریاکار سے فرمائے گا کہ ــــ جا اور اپنے عمل کا ثواب اُن لوگوں سے لے جن کو تو اپنا عمل دکھلایا کرتا تھا۔ حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ ــــ جو شخص دین کے نام پر دُنیا طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے۔ اس کا نام دوزخ میں جانے والوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ جو صحابۂ کرامؓ کے بڑے ممتاز شاگرد اور تاریخِ اسلام کی بہت بڑی شخصیت ہیں اکثر اپنے نفس پر خفا ہوتے اور اپنے آپ کو جھڑک کر کہتے کہ ــــ حسن بصریؒ! تو پرہیزگاروں اطاعت گذاروں اور عابدوں جیسی باتیں کرتا ہے مگر تیرے کام تو جھوٹوں منافقوں اور دکھاوا کرنے والوں کے سے ہیں۔ سُن لے اور خوب اچھی طرح سُن لے کہ یہ اللہ سے محبت

رکھنے والوں کی صفت نہیں کہ وہ سراپا اخلاص اور تمام تر ایثار نہ ہوں!
یحییٰ بن معاذؒ سے پوچھا گیا کہ ـــــ آدمی اخلاص والا کب ہوتا ہے؟ فرمایا ـــ جب اس کی عادت دودھ پیتے بچے کی سی بن جائے۔ کوئی اُسے اچھا کہے تو خوش نہ ہو برا کہے تو بُرا نہ منائے۔
حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ـــــ جس نے محفل میں اپنے آپ کو بُرا کہا اُس نے درحقیقت اپنی تعریف کی یہ بھی دھوکے نمائش اور ریاکاری کی ایک صورت ہے۔
حکم ہے ـــــ اس سے بچو!
حضرت ابراہیم ادھم کہتے ہیں کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اسے اچھا کہیں وہ نہ اللہ سے ڈرنے والا ہے نہ صاحبِ اخلاص!
حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ ـــ نیّت ہمیشہ نیک رکھو! دکھاوا یا ریاکاری نیّت میں داخل نہیں ہوتی۔
جس کی نیّت نیک ہوگی اس کا عمل بھی ویسا ہی ہوگا۔ علم وہ جوہر ہے جو نیت کو نیک اور عمل کو بہتر بناتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے کہا کہ ـــــ "وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر نہیں ہو سکتے" اور ہوں بھی کیسے کہ علم تو اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اسی وجہ سے معلمِ کتاب و حکمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ـــ علماء میری اُمت کے امین ہیں۔
جو صاحب علم ہوتا ہے اسکی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہوتی ہیں پیغمبروں کی ذمہ داریاں اسی لئے زیادہ تھیں کہ انہیں علم دیا گیا تھا۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں جسنے اپنے علم پر عمل کر کے نہ دکھلایا ہو۔ حضرت عیسیٰ نے لوگوں سے پوچھا ـــ جانتے ہو ولی اللہ کون ہوتا ہے؟

لوگوں نے کہا ـــــ نہیں! آپ بتائیں
فرمایا کہ ـــــ وہ جو اپنے علم پر عمل کرے۔

علم کی لگن

حضرت یحییٰ بن معین رح نے تعارف کرایا کہ ـــ یہ احمد بن حنبل رح ہیں۔

دونوں پایے کے عالم اور بڑے نیک بزرگ تھے۔ دونوں کا مقام بڑا اونچا ہے۔

یہ تعارف ہوا حضرت عبدالرزاق بن ہمام رح سے، جو شیخ الحدیث تھے۔ دور دوراں کی شہرت تھی۔

یمن میں صنعا نامی جگہ ان کا قیام تھا۔ عالم اسلام سے سینکڑوں طالب علم حدیث کی تعلیم کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رح کو بھی بڑی آرزو تھی کہ کچھ دنوں تک ان کی خدمت میں حاضر رہیں اور ان کے علم سے استفادہ کریں۔ علم محنت سے آتا ہے۔ اس کے لئے لگن کی ضرورت ہے۔ احمد بن حنبل رح اپنے وقت کے امام کہلائے تو یہ صرف اسی وجہ سے ممکن ہو سکا کہ انھوں نے اپنی طالب علمی کے دَور میں بڑی محنت کی۔ اس وقت بھی جب اُن کا بڑا نام اور بڑی شہرت تھی وہ اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھتے رہے۔ سچ تو یہ ہے کہ علم کا شوق آدمی کو زندگی بھر طالب علم ہی بنائے رکھتا ہے۔ چنانچہ جب شیخ صاحب سے ان کا تعارف ہوا تو انھوں نے ارشاد فرمایا ـــ میں ان کا شہرہ سُن چکا ہوں!

امام احمدؒ امام شافعی رح کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد کہ استادِ محترم ان پر فخر کرتے تھے۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ نے جنھوں نے حضرت احمد بن حنبلؒ کا تعارف کرایا تھا شیخ سے عرض کیا کہ — ہم انشاء اللہ کل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کا درس لیں گے۔

شیخ نے فرمایا — شوق سے آؤ۔

علم حاصل کرنے کی تڑپ ہو تو صاحبانِ علم خوش ہوتے اور طالب العلم کی ہمت بڑھاتے ہیں۔

یہ ۱۹۹ھ کی بات ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ حج کے لئے گئے تھے۔ حضرت یحییٰ بن معینؒ بھی حج پر گئے ہوئے تھے۔ دورانِ حج میں امام احمدؒ نے اپنے دوست حضرت یحییٰؒ سے فرمایا کہ شیخ عبدالرزاقؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ دن ان سے حدیث پڑھنا چاہتا ہوں — حسنِ اتفاق کہ ایک دن یہ دونوں دوست طواف کر رہے تھے کہ شیخ عبدالرزاقؒ نظر پڑے۔ یحییٰ بن معینؒ انھیں پہچانتے تھے۔ اس لئے جیسے ہی موقع ملا انھوں نے شیخ کے قدم جا لیے اور اپنے دوست احمد بن حنبلؒ کا تعارف کرایا پھر امام احمدؒ کی خواہش کا ذکر کیا۔ شیخ اجازت دیکر رخصت ہوئے تو احمد بن حنبلؒ نے اپنے دوست سے کہا — یہ تم نے کیا کیا کہ شیخ سے کل کا وعدہ کر لیا۔ یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا — بھئی! اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ یہیں مل گئے تمہارا بڑا وقت آنے جانے میں ضائع ہونے سے بچ گیا اور سفر کے اخراجات کی بھی بچت ہو گئی۔ امام نے جواب دیا — نہیں یہ بات غلط ہے۔ میں اسے آدابِ تلمذ کے خلاف سمجھتا ہوں کہ شیخ کو یہاں دیکھا اور پکڑ لیا — میں یمن جاؤں گا اور وہیں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

امام احمدؒ بڑے غریب آدمی تھے۔ سفر ان کے لئے بہت دشوار ہوتا تھا کیونکہ محنت مزدوری کر کے اپنا کام چلاتے تھے مگر علم کی لگن پھر علم کی لگن ہوتی ہے پتہ نہیں علم کا یہ شوق اب مسلمانوں میں کیوں باقی نہیں رہا!

آپ کے مطالعے کیلئے مستند و نادر کتابیں
کلمہ طیبہ
سی۔ بی۔ خان 1/25
خلاصہ مطالب قرآن
جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن 15/-
مہر نبوت
علامہ قاضی سلیمان منصور پوری 2/50
کردار کا جادو
شاہ بلیغ الدین 3/50
قانون الٰہی یا انسانی
عبدالقادر عودہ شہید 4/50
مثالی معاشرہ
شفیق احمد سعید 5/-
قرآن اور دعوت انقلاب
سید قطب شہید 2/50
حضرت عائشہؓ کی شادی اور اصل عمر
محمد فاروق خاں ایم۔ اے 1/-
اقبال اور سوشلزم
ڈاکٹر ایس اے رحمان (ریٹائرڈ چیف جسٹس آف پاکستان) 6/-
رہنمائے حق
ملک عبدالعزیز بن سعود
حدیث رسول کا تشریعی مقام
مصطفیٰ السباعی
چالیس حدیث
شیخ الاسلام امام نوویؒ 10/-
رسول اکرمؐ کی نماز
علامہ محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ
اسلامی نظام حکومت کے ضروری اجزاء
علامہ محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ 2/-
سائنس میں مسلمانوں کی خدمات
عطش درانی 3/50
اسلامی عقائد اور شریعت
ڈاکٹر محمود شلتوت 5/-
تعلیم و تربیت
عبدالرحمٰن شاد 6
خاتمہ اختلاف
علامہ عبدالجبار محدث کھنڈیلوی 6/-
رہنما کتاب
حافظ محمد ذکی 6/-
یسرنا القرآن
حافظ ثناء اللہ جاوید
حضرت ابوبکر صدیقؓ
صابر عبدہ ابراہیم
درجات الیقین
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ 1/50
شرک کیا ہے؟
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ 3/-
اصول تفسیر
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ 5/-
ائمہ سلف اور اتباع سنت
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ 6/50
وہ ایک سجدہ!
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ 3/-
اسلامی عقیدہ
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ 3/-
اصحاب صفہ
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ 5/-
توحید کیا ہے؟
شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب 2/50
مسنون دعائیں
عاصم نعمانی 1/25
عہد نبوی میں نظام حکمرانی
ڈاکٹر محمد حمید اللہ 24/-
علوم الحدیث
ڈاکٹر صبحی صالح
فقہ محمدیہ
علامہ عبیداللہ رحمانی 7/-
پسندیدہ اسلامی نام
خلیل الرحمٰن نعمانی 3/-
اعلام الموقعین
شیخ الاسلام امام ابن قیم
معیار الحق
شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی
مولانا مودودی کی تحریر کیوں
سجاد جان 3/50
ہدایت الزوجین
شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری
کتابت حدیث
عہد رسالت اور عہد صحابہ میں
مفتی محمد رفیع عثمانی
افکار صوفیہ
عبدالرحمٰن عبدالخالق 8/-
تبویب القرآن
علامہ وحید الزماں
تفسیر وحیدی
علامہ وحید الزماں
علوم القرآن
ڈاکٹر صبحی صالح
سیرت امام ابن تیمیہ
ابو زہرہ مصری

مسلمان عورت
امام الہند مولانا ابو
عورت کیا ہے ؟
عورت کے فطری اور قدرتی فرائض کیا ہیں ؟
کیا مرد اور عورت جسمانی طاقت میں برابر ہیں ؟
کیا عورتیں عملی دنیا میں مردوں کے ساتھ شریک ہو سکتی ہیں؟
کیا عورت کو مردوں سے پردہ کرنا چاہیئے ؟
کیا پردہ عورتوں کے لئے غلامی کی علامت ہے ؟
کیا پردہ عورتوں کی ترقی و کمال کا مانع ہے ؟
کیا پردہ کا عام اثر زائل ہو سکتا ہے ؟
کیا موجودہ دور کی عورتیں کامل عورتیں ہیں ؟
مسلمان عورتوں کی تعلیم کا احسن طریقہ کیا ہے ؟
ان سب باتوں کا جواب
امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ کے سحر آفریں قلم نے اردو کے قالب میں منتقل کر دیا ہے۔
قیمت صرف ۱۵/۰۰ روپے
فردوس پبلیکیشنز دہلی ۶